احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

فون نمبر: 5863260 5862956 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
Email: centralanjuman@yahoo.com
قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 99 | 10 جمادی الثانی تا 10 رجب 1432 ہجری یکم مئی تا 31 مئی 2012ء | شمارہ نمبر 10-9

ارشادات حضرت مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ

ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا ظہور

میں جو کچھ اس وقت کہنا چاہتا ہوں، وہ کوئی معمولی اور سرسری نگاہ سے دیکھنے کے قابل بات نہیں، بلکہ بہت بڑی اور عظیم الشان بات ہے۔ میری اپنی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ خدا تعالیٰ کی بات ہے۔ اس لئے جو اس کی تکذیب کے لئے جرات اور دلیری کرتا ہے، وہ میری تکذیب نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر دلیر ہوتا ہے۔ مجھے اس کی تکذیب سے کوئی رنج نہیں ہوسکتا، البتہ اس پر رحم ضرور آتا ہے کہ نادان اپنی نادانی سے خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتا ہے۔

یہ بات مسلمانوں میں ہر شخص جانتا ہے اور غالباً کسی کو بھی اس سے بے خبری نہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کو بھیجتا ہے جو دین کے اس حصہ کو تازہ کرتا ہے جس پر کوئی آفت آئی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ مجددوں کے بھیجنے کا اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق ہے ''بے شک ہم ہی اس قرآن کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ پس اس وعدہ کے موافق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے موافق جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر فرمائی تھی۔

یہ سچ ہے کہ چودھویں صدی پر اکابر امت کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور تمام کشوف اور رویا اور الہامات اس امر کی طرف اشارہ کرتے تھے کہ اس صدی پر آنے والا موعود عظیم الشان انسان ہوگا جس کا نام احادیث میں مسیح موعود اور مہدی آیا ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم ص ۲،۳)

ظہورِ مجدّد

سوائے مسلمانو! اِس عاجز کا ظہور ساحرانہ تاریکیوں کے اُٹھانے کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔ اے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحتِ عام کے لئے خاص کر کے بغرضِ اعلائے کلمہ اسلام و اشاعتِ نور حضرت خیرالانام اور تائید مسلمانوں کے لئے اور نیز اُن کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔ تعجب تو اس بات میں ہوتا کہ وہ خدا جو حامی دینِ اسلام ہے جس نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ تعلیمِ قرآنی کا نگہبان رہوں گا اور اسے سرد اور بے رونق اور بے نور ہونے نہیں دوں گا۔ وہ اِس تاریکی کو دیکھ کر اور ان اندرونی اور بیرونی فسادوں پر نظر ڈال کر چُپ رہتا اپنے اُس وعدہ کو یاد نہ کرتا جس کو اپنے کلامِ میں مؤکد طور پر بیان کر چکا تھا۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ اس پاک رسول صلعم کی یہ صاف اور کھلی کھلی پیشگوئی خطا جاتی جس میں فرمایا گیا تھا کہ **"ہر ایک صدی کے سر پر خدا تعالیٰ ایک ایسے بندے کو پیدا کرتا رہے گا جو اس دین کی تجدید کرے گا"** سو یہ تعجب کا مقام نہیں بلکہ ہزار در ہزار شکر مقام اور ایمان اور یقین کے بڑھانے کا وقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدے کو پورا کر دیا اور اپنے رسول کی پیشگوئی میں ایک منٹ کا بھی فرق پڑنے نہیں دیا اور نہ صرف اس پیشگوئی کو پورا کر کے دکھلایا بلکہ آئندہ کے لئے بھی ہزاروں پیشگوئیوں اور خوارق کا دروازہ کھول دیا۔

(فتح اسلام، صفحہ 8،7)

سورۃ الفلق ہر قسم کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے مجرب دعا

خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بمقام جامع دارالسلام، لاہور

میں نے آپ کے سامنے سورۃ الفلق تلاوت کی ہے۔ جن کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ: ''اللہ بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔ کہہ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہر چیز کے شر سے، جو اس نے پیدا کی۔ اور تاریک رات کے شر سے، جب تاریکی چھا جائے۔ اور عزیموں میں پھونکنے والی کی شر سے۔ اور حسد کرنے والے کی شر سے جب وہ حسد کرے''۔

قرآن کریم تمام انسانیت کے لئے تا قیامت آخری ہدایت نامہ اور خدا سے قریبی تعلق کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس پر عمل کرنے سے اور رسول کریم صلعم کے اسوہ حسنہ پر چلنے سے انسان اللہ کی مکمل عبدیت حاصل کر سکتا ہے۔ رسول کریم صلعم نے انسانیت کا جو معیار قائم کر کے دکھایا ہے اس پر چلنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس پر چلنے سے ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی عبدیت میں اپنی زندگی کو یوں بسر کرنا ہے کہ ایسی کوئی چیز نہ کرنا جو ہماری سمجھ اور خیال میں خدا کے کسی حکم کے خلاف ہو اور اس مکمل عبدیت کو حاصل کرنے کے لئے انسان کو تمام تر عبادات خالصتاً خدا کے لئے کرنی چاہیے **''اپنا جینا، اپنا مرنا، اپنی عبادات، اپنی قربانیاں تمام رب العالمین کے لئے وقف کر دینا اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرانا''** یہ خدا کے قرب کا ذریعہ بنتا ہے اور مسلسل اس کی یاد کو اپنے دل میں رکھے رہنے اور اس سے دعائیں کرتے رہنے سے اللہ تعالیٰ کا تعلق اور اس کی قربت حاصل ہوتی ہے۔

جس ترتیب سے قرآن کریم میں سورۃ پائی جاتی ہیں ان میں سب سے پہلے ایک عظیم دعا **سورۃ فاتحہ** ہے اور اختتام دو عظیم دعائیں ہیں ایک **الفلق** اور دوسری **الناس**۔ اور **اعوذ** سے دونوں شروع ہوتی ہیں اس لئے دونوں کو **معوذتین** بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں کچھ الفاظ ہیں جو تشریح طلب ہیں:

قل: مفسرین کے مطابق خدا تعالیٰ رسول کریم صلعم کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ کہہ دیجئے یعنی لوگوں تک میرا یہ پیغام پہنچا دیجئے وہ پیغام ہے کہ **''وہ خدا کی پناہ مانگتے رہیں''** اس لئے جو چیز رسول کریم صلعم کو **قل** کہہ کر کہی گئی۔ وہ ایک عام سا عمل نہیں ہوتا کہ اللہ نے یوں کہہ دیا اور رسول کریم صلعم نے آگے ہمیں کہہ دیا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کا ایک حکم بن جاتا ہے کہ ہم اعوذ باللہ اور یہ جو آیات ہیں ان کے مطابق ہم خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہیں۔ اس لئے معاملہ ''کہہ دیجئے'' پر نہیں رُک جاتا کہ خدا نے رسول کریم صلعم کو حکم کیا ہے کہ ''کہہ دیجئے'' اور انہوں نے کہہ دیا بلکہ انہوں نے ایک مقصد سے کہہ دیا اور اس مقصد کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض بن جاتا ہے۔

اعوذ: عربی میں اعوذ اُس مادہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس نے قریب ہی کسی بچے کو جنم دیا ہو اور جب تک اس بچے کو نگہداشت کی حاجت ہو **اعوذ** کا عمل جاری رہتا ہے۔ انسان کا بچہ سب سے کمزور ہوتا ہے نہ اِدھر اُدھر مڑ سکتا ہے، نہ کچھ مانگ سکتا ہے، بھوک کا احساس رو کر، گیلا ہو جائے تو رو کر، سردی لگے تو رو کر ایسے تقاضوں کا اظہار کرتا ہے۔ ماں کے اندر یہ ممتا چاہے وہ انسان ہو یا جانور، چرند ہو یا پرند اللہ نے فطرتاً رکھی ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ فطرت نہ رکھی ہوتو کائنات میں جتنے زندہ جانور ہیں وہ میرا خیال ہے نہ آگے چل سکیں اور نہ بچ سکیں۔ بچہ ماں کا دودھ پینے، کپڑے پہنانے، بولنا، چلنا سکھانے کے لئے محتاج رہتا ہے۔ دیکھا جائے تو انسان کا بچہ تمام جانداروں میں سب سے زیادہ ماں کی توجہ کا محتاج ہوتا ہے۔ اور وہ

اس لئے کہ اس کو سب سے زیادہ بڑا رول دنیا میں ادا کرنا ہے اس لئے اس کو اچھائی اور برائی کی تمیز ماں سے ہر قدم پر سیکھنی ہوتی ہے۔

ہم سوچیں کہ بچہ اپنی کسی تکلیف میں فطرتاً اپنی ماں کی طرف آئے گا جا ہے مرغی کے پروں کی طرف بھاگ جانا ہو جب چیل حملہ کرے۔تو یہ جو عمل ہے کہ بچے کو پتہ ہو کہ میری جائے پناہ کہاں ہے اور ماں کے اندر فطرت رکھی ہو کہ میں نے اپنے بچے کو پناہ دینی ہے یہ **اعوذ** ہے۔ایسے ہی جب انسان پر شیطان کا حملہ ہو تو اس کے لئے خدا تعالیٰ جائے پناہ ہے۔

اس لئے اس سورۃ میں **اعوذ** آتا ہے کہ اس طرح بھاگو خدا تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے لئے جیسے ایک چوزہ اپنی ماں کی طرف بھاگتا ہے جب اس پر چیل حملہ کر رہی ہوتی ہے۔تم شیطان کے حملوں سے جو چیل کے حملوں سے بہت زیادہ نقصان دہ ہیں ان سے بچنے کے لئے خدا کی طرف بھاگو اور وہ تمہیں پناہ دے گا۔

اللہ جائے پناہ

پناہ کے پہلو میں پہلے ہم انسان کی طرف آتے ہیں۔انسان کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ کونسی چیز خطرہ ہے اور کونسی نہیں۔اب اگر خطرہ آتا ہے تو اس کو پتہ ہونا چاہیے کہ یہ خطرے کی بات ہے اور وہ اس سے بچنے اور پناہ کے لئے کہاں جائے۔ چوزہ اور چیونٹی ہو تو وہ بھاگ کر اپنی اپنی پناہ میں چلی جائیں گی لیکن انسان کی پناہ جو وہ مانگ رہا ہے **اس کو پناہ دینے والا کون ہے؟** تو وہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ پناہ دے سکتا ہے۔ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اس سورۃ کے ذریعہ کیا مانگ رہے ہیں اور وہ کیا چیزیں ہین جن سے ہم بچیں اور پناہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف لپکیں۔

انسان ہوں، کچھ فرد ہوں، کچھ دوست ہوں، کوئی گروہ ہو، کوئی جماعت ہو، کوئی ملک ہو یا پوری دنیا ہو ان سب کو پناہ چاہیے۔اگر یہ ضروری ہے کہ ہم اچھی طرح سمجھ لیں کہ **پناہ مانگنی ہے تو صرف خدا سے مانگنی ہے** اور اپنے ذرائع پر بھروسہ رکھنا اس کی طاقت کو محدود سمجھنے کے برابر ہے۔**خدا تعالیٰ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے**۔اور صرف **ایاك نستعین** کا وعدہ جو ہم روزانہ اللہ کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے کرتے ہیں۔یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ ہم پناہ مانگنے کے لئے، بیتاب ہو کر، مجبور ہو کر، افسروں کی طرف، نوکری دینے والوں کی طرف، مال داروں کی طرف رُخ کرتے ہیں تو کیا ہم اس یقین کو اپنے دل میں لے کر آگے بڑھتے ہیں کہ **خدا مدد دینے والا ہے اور وہ ہمیں مدد فراہم کرے گا؟**

الفلق کا مفہوم

اس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے جو الفاظ اپنی شان میں بیان کیے ہیں پناہ دینے کے لئے وہ **رب الفلق** ہیں۔رب الفلق سے یہاں پناہ مانگنے کا ذکر ہے اور ہمیں اپنے اندر وہی احساس لے آنا ہوگا کہ ہم اپنے آپ کو تصور کریں کہ ہم ایک کمزور ترین انسان ہیں، ہم سے اور کوئی کمزور نہیں، ہم کمزور ترین جماعت ہیں ہم سے زیادہ اور کوئی کمزور ترین جماعت نہیں۔ہم کمزور ترین ملک ہیں تو ہم سے اور کوئی کمزور ترین ملک نہیں۔تو ہمیں اسی طرح خدا کی طرف لپکنا چاہیے جیسے ایک چوزہ خطرہ محسوس کرتا ہے اور اپنی ماں کے پروں کے نیچے چھپنے کی کوشش کرتا ہے۔جو دعا مانگی جارہی ہے وہ ہے **قل اعوذ برب الفلق**۔اگر ہم سمجھ جائیں کہ یہ **فلق** کیا ہے تو شاید پھر ہمیں یہ تصور مل جائے کہ ہم کیا کیا چیزیں خدا سے اور کیسے کیسے مانگ رہے ہیں۔اگر اس کا سب سے عام مطلب جو لیا جاتا ہے۔وہ ہے **کسی چیز کو پھاڑنا**۔اب اُس خدا سے ہم پناہ مانگ رہے ہیں جو چیزوں کو پھاڑ دینے کی قوت رکھتا ہے اور اس کے حکم سے چیز پھٹ جاتی ہے یعنی کہ ایک چیز دو حصوں میں ہو جاتی ہے۔اس لئے ہم کہتے ہیں کہ رات پھٹی اور صبح ہوئی۔جب خدا کوئی چیز پھاڑتا ہے تو اس میں سے کوئی اور چیز نکلتی ہے۔انڈا ٹوٹے گا تو بچہ باہر آئے گا۔اور بچہ ماں سے علیحدہ ہوگا تو وہ باہر کی زندگی میں رہنے والا بچہ بنے گا۔

فلق کا مطلب مخلوق بھی ہے۔اب تمام مخلوق سے ہم پناہ مانگ رہے ہیں صرف صبح سے نہیں مانگ رہے، رات کے خطرے چلے گئے ہیں اب دن کو ہمیں بچا لینا بلکہ ہم نے پوری مخلوق سے جو ہمیں نقصانات ہو سکتے ہیں ان سے پناہ مانگنی

ہے۔اوران مشکلات سے پناہ مانگی ہے جن سے ہم امن کی طرف آنا چاہتے ہیں۔

جہنم کو بھی فلق کہا گیا ہے۔ہم ایسی زندگی کی دعا کر رہے ہیں کہ ہم اس جہنم سے محفوظ رہیں۔اور ظاہر ہے اس دعا تک ہی نہیں محدود رہنا بلکہ اس میں ہمیں وہ عمل کرنے ہوں گے جن سے ہم اس سے محفوظ رہتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبدیت اور خوشنودی کی راہیں ہیں۔

بعض مفسرین نے **فلق دریا کو یا پانی کا ذخیرہ بھی کہا ہے**۔اب اگر آپ دیکھیں کہ اس زمانے میں جب سے ہم نے ٹیلی ویژن پر نظارے دیکھے کہ پاکستان میں سیلاب آیا اور پاکستان کا پانچواں حصہ پانی کے نیچے آ گیا۔اس لئے ہم پانی کے نقصانات سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔ہم خدا تعالیٰ کی تمام قدرتی آفات سے پناہ مانگتے ہیں۔

کچھ مفسروں نے فلق اس دودھ کو کہا ہے جو پیالے سے پینے کے بعد اس میں رہ جاتا ہے۔اس کا مفہوم یہ ہوا کہ **ایمان کی کمی رہ جانا**۔ہم پناہ مانگتے ہیں اپنے ایمان میں کمی ہو جانے سے۔

قرآن کریم میں الفلق کا استعمال

قرآن کریم میں الفلق تین طریقہ سے استعمال ہوا ہے۔ایک فالق الحب دوسرا فالق النویٰ اور فالق الاصباح۔ایک مقام پر آتا ہے ان اللہ فالق الحب والنویٰ (یعنی اللہ ہی دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے) دوسری جگہ **فالق الاصباح** (یعنی صبح کو پھاڑنے والا)۔"حب" یعنی دانے مثلاً چاول، جو وغیرہ اس میں آجاتے ہیں اور"**نوی**"یعنی ہمارے رب کی عظمت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ڈھائی لاکھ کے قریب کھانے کی اشیاء"حب اور نویٰ" میں شامل ہیں۔

الفلق میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تاریکیوں کو پھاڑ دیتا ہے۔جس طرح وہ روشنی لاتا ہے، وہ ان سخت سے سخت بیجوں کو پھاڑ دیتا ہے۔اور ان کے اندر سے پھل دار درخت نکال دیتا ہے تو وہ ہمیں بھی ان ظلمات سے نکال دے جن میں ہم گھرے پڑے ہیں۔بظاہر اگر ہم سوچیں کہ کھجور کی جو گٹھلی ہوتی ہے اس کو پتھر بھی نہیں توڑ سکتا۔کیسے ایک چھوٹی سے کونپل توڑ کر باہر نکل کر کھجور کا درخت بن جاتی ہے؟ اسی لئے خدا تعالیٰ بتا رہے ہیں کہ چاہے جتنی بھی طاقت ہمارے اوپر حاوی ہو جائے خدا کی طاقت سے بڑھ کر نہیں۔وہ ہم کو ان اندھیروں سے نکالنے والا ہے۔روشنی کی طرف لانے والا ہے۔**اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے اور وہ ان کو اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے**۔ہزاروں ظلمات ہیں لیکن ایک نور اور وہ اللہ تعالیٰ کا اپنا نور ہے۔تو یہ ایک طرح کی یوں دعا ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ تاریکیوں کو نور سے بدل دے۔ہم خدا سے یوں مانگ رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ یہ تاریکیاں جو ہم پر چھائی ہوئی ہیں بحیثیت ایک جماعت، ملک یا فرد ان سے ہمیں یوں نکال دے جیسے گٹھلی میں سے پودے کا نکلنا جو بظاہر ناممکن ہے تیرا حکم ہو تو ممکن بن جاتا ہے۔ہمیں وہ پھل دے دے جس کے لئے ہم محنت کر رہے ہیں اور ہمارے باطن اندر کی جو غلیظ اور جو کالے پہلو ہیں ان سے ہماری بچت کر لے، ان سے ہمیں بچا لے۔

معوذتین کی عظمت

اس دعا کی عظمت اتنی تھی کہ جب یہ دو سورتیں نازل ہوئیں تو رسول کریم صلعم نے وہ تمام دعائیں جو وہ پناہ مانگنے کے لئے کیا کرتے ہیں ان تمام کو ترک کر کے صرف ان دونوں کو اپنا لیا اور پھر انہی کے ذریعہ پناہ مانگتے تھے اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے۔

"الفلق" میں جن چیزوں سے روکا گیا وہ ایک علیحدہ خطبہ بنتا ہے لیکن اگر ان کو دیکھا جائے تو وہ چیزیں وہ ہیں جن سے دوسروں سے ہمیں نقصان پہنچتا ہے اور"الناس" میں وہ چیز بیان کر دی گئی ہیں جن کی وجہ سے ایسے آثار پیدا ہو جاتے ہیں، جن کا بُرا اثر دوسرے لوگوں پر ہوتا ہے۔تو ہم اپنے لئے بھی پناہ مانگ رہے ہیں کہ ہم میں کوئی ایسی چیز نہ آ جائے جس سے دوسرے لوگ نقصان اٹھائیں۔ان دونوں کو اکٹھا پڑھنا زیادہ احسن رہتا ہے کیونکہ اس میں ہم دونوں پہلو مکمل کر لیتے ہیں کہ"اللہ میری بھی حفاظت کر اور مجھے ایسا بنا دے کہ میری وجہ سے دوسرے بھی حفاظت میں رہیں نہ کہ وہ میری حرکات سے، جن مصیبتوں کے نیچے میں آ چکا ان کی وجہ سے وہ نقصان اٹھانے والے بن جائیں"۔

الفلق کو ہم نے بتا دیا کہ یہ جب چیز پھٹتی ہے تو اس کے اندر سے کوئی اچھا نتیجہ نکلتا ہے کتنے لوگ ہوتے ہیں جو کھجور کھا کر گٹھلیاں بچا لیتے ہیں یا آم چوس کر

ان کی گھٹلیوں کو اپنی جیبوں میں یا گھروں میں رکھ لیتے ہیں سوائے ان کے جنہوں نے آگے دوبارہ پلانٹ کرنا ہو۔ یا حکیم لوگ جنہوں نے اس میں کوئی دوائی نکالنی ہو۔ ورنہ یہ پھینکی ہوئی چیز ہیں ۔ سڑتی رہتی ہے۔ کوئی یہ محسوس نہیں کرتا کہ یہ میں نے اتنا قیمتی پھل کھایا اور میں اس کا ایک حصہ پھینک رہا ہوں ۔ جب جب کوئی چیز پھٹتی ہے تو اس میں ایک بہتری کا پہلو ہوتا ہے۔ جیسے رات کی تاریکی اور اس کے گناہوں سے نکل کر نیکی کی طرف آنا اور جو گھٹلیاں یا دانے پھٹتے ہیں ان میں سے کھجوریں اور اناج میسر آتا ہے اور اس دنیا کو دیکھیں کہ یہ کیسی بنی؟ ہر کوئی آج کل کہتا ہے کہ ایک چھوٹا سا مادہ تھا وہ ایک زور دار دھماکے سے پھٹا اور وہ آج کی کائنات کی بنیاد بن گیا اور وہ ایسی بنیاد بنی کہ آج تک وہ پھیلتی جاتی ہے ۔ پہلے سائنسدانوں کا خیال تھا کہ کائنات میں ختم ہو جانے کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن تین سائنسدانوں نے پوری محنت کر کے یہ پتہ لگانا چاہا کہ یہ کب تک رہے گی اور وہ آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ بڑھتی جا رہی ہے۔ تو اس پر ان کو نوبل پرائز بھی مل گیا کہ انہوں نے پتہ لگایا ہے کہ کائنات ابھی بھی پھیل رہی ہے۔

تو یہ ہمارے رب العالمین کا ثبوت بن جاتا ہے کہ وہ کیسے پھیلاتا جاتا ہے بڑھاتا جاتا ہے۔ اگر ہم اپنی تخلیق پر غور کریں تو ہمارا ماں کے رحم کے اندر چھوٹا سا وجود تھا جب ہم نے اس کے رحم کے ساتھ تعلق پکڑا (سورۃ العلق)۔ یہاں بھی الفلق یعنی پھٹنے یا دو میں تقسیم ہونے کا عمل بار بار ہوا اور پھر ہمارے جسم کے اجزاء بنے۔

نقصان دہ پھوٹ

جو پھوٹ نقصان دہ ہے وہ وُہ ہے جس سے لوگوں کا جماعتوں اور ملکوں میں انسانی اعمال کے ذریعہ پھوٹ پڑتی ہے۔ یہی تمام جماعتوں اور تنظیموں کی کمزوری کا باعث بنتی ہیں۔ ہمیں اپنی جماعت کے اندر اس تفرقہ بازی کو ختم کرنے کی پوری کوشش کہ وہ کمزور نہ ہونے پائے کرنی چاہیے تاکہ یہ جماعت جس کے متعلق تا قیامت قائم رہنا اس کا مشن اور اس کے اندر لوگوں کی شمولیت یقینی بتائی گئی ہے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات اور کشوف میں ہماری کامیابی کی بشارات ہیں اور اس امید کو ہم نے اپنے ساتھ رکھنا ہے۔

یہ مت کوئی سوچے کہ مرزا صاحب کا کام کرنے اب کوئی اور ہی آئے گا کیونکہ ان سے نہیں ہوا یا ان کی جماعت سے نہیں ہوا۔ کمزوریاں اپنی جگہ ہوتی ہیں لیکن تفرقہ اور پھوٹ ڈالنے والے اس چیز سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ کب ہم ان حالات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ہم ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

جماعت احمدیہ لاہور اللہ نے بنائی ہے

یہ مشن ، یہ جماعت اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔ اس جماعت کے امیر اوّل حضرت مولانا محمد علی رحمتہ للہ علیہ خاص مقصد لے کر لاہور آئے اور انہوں نے جماعت قائم کی کیونکہ انہوں نے یہ تصور قبول نہیں کیا کہ رسول کریم صلعم کے بعد کوئی اور نبی آ سکتا ہے۔ انہوں نے یہ تصور بالکل نہیں قبول کیا کہ کوئی **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھتا بھی جائے اور کافر بھی کہلائے اور انہوں نے یہ تصور بھی کبھی نہیں قبول کیا کہ اسم احمد جو قرآن میں آیا وہ خدانخواستہ مرزا غلام احمد والا احمد ہے۔ جتنی محبت، جتنا لگاؤ حضرت صاحب کو رسول کریم صلعم کے ساتھ تھا ان کی مثال دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا، وہ ان کے سچے عاشق تھے اور یہ جو جماعت قائم ہوئی ہے، اس جماعت سے اللہ نے کام لینا ہے اور کوئی اس کی کمزوریوں کو سامنے لا کر یہ سوچے کہ اس جماعت کا کام اب ختم ہو گیا ہے اب ہمارا کام شروع ہو گیا ہے وہ غلط فہمی پر ہو گا۔ یہ کام اللہ کا کیا ہے اور انشاءاللہ یہ کام کامیابی سے چلتا رہے گا۔

اب خطبہ کے آخر میں میں حضرت مولانا نور الدین رحمتہ اللہ علیہ کی یہ دعا پڑھتا ہوں اور انہوں نے ایک ایسی اچھے طریقے سے دعا مانگی کہ ہم اس کو تمام جماعت کی دعا سمجھتے ہیں:

"اے خدا قادر و توانا تیرا نام فالق الاصباح، فالق الحب والنویٰ ہے۔ میں ظلمات میں ہوں، میری تمام ظلمتیں دور کر دے اور مجھے ایک نور عطا کر کہ جس میں ہر ایک ظلمت کے شر سے تیری پناہ میں آ جاؤں۔ تو مجھے ہر امر میں ایک حجت نیّرہ اور برہان قاطع اور فرقان عطا فرما۔ میں اگر اندھیروں میں ہوں اور کوئی علم مجھ میں نہیں ہے تو تُو ان ظلمات کو مجھ سے دُور کر کے وہ علوم مجھے عطا فرما اور اگر میں ایک دانے یا گھٹلی کی طرح کمزور اور ردّی چیز ہوں تو تُو میں مجھے ایک قبضہ قدرت اور ربوبیت میں لے کر اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا۔ آمین۔

☆☆☆☆

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الرحمتہ کی تحریرات میں مستعمل چند اہم صوفیانہ اصطلاحات

(ظل، بروز مظہر، مجاز اور استعارہ کی تشریح)

نوٹ: انہی صوفیانہ اصطلاحات کی غلط اور عیارانہ آڑ میں مخالف علماء کی مخالفت اور غالی مریدوں کا غلو پروان چڑھتا ہے۔ اس تشریح کو خود حضرت مرزا صاحب کے الفاظ میں ہی پیش کیا جارہا ہے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے۔(ویب ماسٹر)

فرمان رسول مقبول ﷺ

ترجمہ:''جس قدر انبیاء گذرے ہیں ان میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی مثیل میری امت میں ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ ابوبکر حضرت ابرہیم کا مثیل ہے اور عمر حضرت موسیٰ کا مثیل اور عثمان حضرت ہارون کا مثیل اور علی ابن طالب میرا مثیل ہے۔ اور جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا چاہے تو وہ ابو ذر غفاری کو دیکھ لے۔

ظل

(۱): ''واہل دلہا برین متفق اند کہ ولایت ظل نبوت است پس ہر چہ اصل راز انواع کمال باشد ظل را نیز مید ہند آں نشانِ ظلیہ باشد''۔

ترجمہ:''سب اہل دل اس امر پر متفق ہیں کہ ولایت نبوت کا ظل ہے۔ جو کمال کی جو اقسام اصل میں ہوتی ہیں وہ بطور ظلیت کی علامت کے ظل کو بھی دی جاتی ہیں۔(لجتہ النور۔ص ۳۸۔۱۹۱۰ء)

(۲): پس نبی اصل کی طرح اور ولی ظل کی طرح ہوتا ہے۔ ولی اس کے مرتبہ سے فیض لیتا ہے۔ اور اس کی روحانیت سے مستفید ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں امتیاز مرفوع ہوجاتا ہے۔ اور پہلے کے احکام دوسرے پروارد ہوجاتے ہیں۔۔۔۔ یہ سراللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ہے۔ اس کو وہی سمجھتا ہے جو شخص زمرہ روحانیں میں سے ہے۔(خزینتہ المعارف۔ص ۸۸ مطبوعہ ۱۳۲۳ھ)

(۳): نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کو ظلی طور پر نبوت کے کمالات سے متمتع کردے۔ اور روحانی امور میں اس کی پوری کوشش کرکے دکھلاوے۔ اسی پرورش کی غرض سے نبی آتے ہیں۔ اور ماں کی طرح حق کے طالبوں کو گود میں لے کر خداشناسی کا دودھ پلاتے ہیں۔ پس اگر آنحضرت صلعم کے پاس یہ دودھ نہیں تھا تو نعوذ باللہ آپ کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی۔ مگر خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ کا نام سراج منیر رکھا ہے۔ جو دوسروں کو روشن کرتا ہے۔ اور اپنی روشنی کا اثر ڈال کر دوسروں کو اپنی مانند بنا دیتا ہے۔ اور اگر نعوذ باللہ آنحضرت صلعم میں فیض روحانی نہیں تو پھر دنیا میں آپ کا مبعوث ہونا بھی عبث ہوا۔ اور دوسری طرف خدا تعالیٰ بھی دھوکا دینے والا ٹھہرا۔ جس نے (اھد نا الصراط المستقیم الخ میں۔ ناقل) دعا تو یہ سکھلائی کہ تم تمام نبیوں کے کمالات طلب کرو۔ مگر دل میں ہرگز یہ ارادہ نہیں تھا کہ یہ کمالات دیئے جائیں گے۔ بلکہ یہ ارادہ تھا کہ ہمیشہ کے لئے اندھا رکھا جائے گا۔ لیکن اے مسلمانو! ہوشیار ہوجاؤ کہ ایسا خیال سراسر جہالت اور نادانی ہے۔(چشمہ مسیحی۔ص ۴۶و۴۷)

(۴): انبیاء من حیث الظل باقی رکھے جاتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ظلی طور پر ہر ایک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندے کو انکا نظیر اور مثیل پیدا کردیتا ہے، جو انہی کے رنگ میں ہوکر انکی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے۔ اور اس ظلی وجود کے قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھلائی ہے۔ اھد نا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ یعنی اے خدا ہمارے ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے ان بندوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا

انعام جو انبیاء پر ہوا تھا۔ جس کے مانگنے کے لئے اس دعا میں حکم ہے وہ درم اور دینار کی قسم میں سے نہیں بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور تائید سماوی اور قبولیت اور معرفت تامہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے۔۔۔ پس اس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہرایا تا انبیاء کا وجود ظلی پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو۔ (شہادت القرآن۔ ص ۴۶)

(۵): اور جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آئینہ جو ایک سامنے کھڑے ہونے والے کے تمام نقوش اپنے اندر لے کر اس منہ کا خلیفہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مومن بھی ظلی طور پر اخلاق اور صفات الہیہ کو اپنے اندر لے کر خلافت کا درجہ اپنے اندر حاصل کرتا ہے۔ اور ظلی طور پر الٰہی صورت کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ خدا غیب الغیب ہے اور اپنی ذات میں وراء الوراء ہے۔ ایسا ہی یہ مومن کامل اپنی ذات میں غیب الغیب اور وراء الوراء ہوتا ہے۔ دنیا اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی۔ (براہین احمدیہ۔ حصہ پنجم۔ ضمیمہ۔ ص ۸۱)

(۶): جیسا کہ ہمارے نبی صلعم کی یہ پیشگوئی کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں آپؐ کے ہاتھ پر رکھی گئی ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ پیشگوئی کے ظہور سے پہلے آنحضرت صلعم فوت ہو چکے تھے۔ اور آنجناب نے نہ قیصر اور کسریٰ کے خزانوں کو دیکھا اور نہ کنجیاں دیکھیں۔ مگر چونکہ مقدر تھا کہ وہ کنجیاں حضرت عمرؓ کو ملیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کا وجود ظلی طور پر گویا آنجناب کا وجود ہی تھا۔ اس لئے عالم وحی میں حضرت عمرؓ کا ہاتھ پیغمبر خدا صلعم کا ہاتھ قرار دیا گیا۔ (ایام الصلح۔ ص ۳۵)

(۷): میری نبوت یعنی مکالمہ مخاطبہ الہیہ آنحضرت صلعم کی نبوت کا ایک ظل ہے (یہاں 'ایک ظل ہے' قابل غور ہے۔ ناقل) اور بجز اس کے میری نبوت کچھ بھی نہیں۔ وہی نبوت محمدیہ ہے جو مجھ میں ظاہر ہوئی۔ اور چونکہ میں محض ظل ہوں اور امتی ہوں۔ اس لئے آنجناب کی اس سے کسر شان نہیں۔ (تجلیات الہیہ۔ ص ۲۵۔ ۱۹۰۶ء)

(۸): یہ نبوت بباعث امتی ہونے کے دراصل آنحضرت صلعم کی نبوت کا ایک ظل ہے کوئی مستقل نبوت نہیں۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ۔ حصہ پنجم۔ ص ۱۸۱)

(۹): مستقل نبوت آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔ (حقیقۃ الوحی۔ ص ۲۸)

(۱۰): نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی فنافی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدیہ کی چادر ہے۔ (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ)۔

بُروز

حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:

''بروز جو بعض مشائخ نے کہا ہے تناسخ (حلول) سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ تناسخ میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لئے تعلق ہوتا ہے تا کہ اس کے لئے حیات و زندگی ثابت ہو۔۔۔ اور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ تعلق اس غرض کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں۔ اور اپنے درجات تک واصل ہو جائے۔'' (ترجمہ از فارسی۔ مکتوبات۔ جلد۲ مکتوب ۵۸)

پس مولانا مودودی مرحوم جیسے عالم دین کا تحقیقاتی مقالہ عدالت برائے فسادات پنجاب میں دیا گیا یہ بیان کس حد تک منصفانہ اور مبنی بر حقیقت ہے:

''بروز باطل کے تصور سے جسے انگریزی میں (incarnation) کہتے ہیں یعنی حلول اسلامی عقیدہ نا آشنا ہے''۔ (بحوالہ اخبار ملت لاہور۔ ۳۰ اپریل ۱۹۵۴ء)

(۱): اہل اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ مراتب وجود وہی ہیں۔ میں اس کو مانتا ہوں۔ قرآن شریف سے یہی مستنبط ہوتا ہے۔ صوفیائے کرام اس کو مانتے ہیں کہ کسی گذرے ہوئے انسان کی طبیعت، خو، اخلاق ایک اور میں آتے ہیں۔ ان کی اصطلاح میں یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص قدمِ آدمؑ پر ہے یا قدم نوحؑ پر ہے۔ اس کو بعض بروز بھی بولتے ہیں۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ ہر زمانے کے لئے بروز ہے۔ جیسے ہابیل کا بروز شیث علیہ السلام اور یہ پہلا بروز تھا۔ ہبل نوحہ کو کہتے ہیں۔ خدا نے

شیٹ کو یہ بروز دیا۔ پھر یہ سلسلہ برابر چلا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بروز آنحضرت صلعم تھے۔ اسی لئے ملۃ ابراہیم حنیفا (البقرہ ۲:۱۳۶) فرمایا۔ اس میں یہی سر ہے۔۔۔۔غرض بروز کا مذہب ایک متفق علیہ مسئلہ ظہورات کا ہے۔ (ملفوظات۔ جلد اول۔ ص ۴۴۴)

(۲): حضرت موسیٰ کا یشو عاجز بروز تھا۔ اور بروز کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بروزی انسان صاحب بروز کا بیٹا یا نواسہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ روحانیت کے تعلقات کے لحاظ سے شخص مورد بروز صاحب بروز میں سے نکلا ہوا ہے۔۔۔۔تمام نبی اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ وجود بروزی اپنے اصل کی پوری تصویر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس طرح بروزی طور پر محمد اور احمد نام رکھے جانے سے دو محمد اور دو احمد نہیں ہو گئے۔ اسی طرح بروزی طور پر نبی اور رسول کہلانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النبین کی مہر ٹوٹ گئی۔ کیونکہ وجود بروزی کوئی الگ وجود نہیں۔ اس طرح پر تو محمد کے نام کی نبوت محمد صلعم تک ہی محدود رہی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بروز میں دوئی نہیں ہوتی۔ کیونکہ بروز کا مقام اس مضمون کا مصداق ہوتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ)

(۳): ہمارے مخالف اپنی جہالت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا حقیقی طور پر انتظار کرتے ہیں۔ اور ہم بروزی طور پر جیسے کہ تمام متصوفین کا مذہب ہے۔ (کتاب البریہ۔ ص ۱۸۲۔ حاشیہ)

(۴): اگر کوئی غیر شخص آجاوے تو غیرت ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ خود ہی آوے تو غیرت کیسی؟ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر ایک شخص آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھے۔ اور پاس اس کی عورت بھی موجود ہو تو کیا اس کی بیوی آئینہ والی تصویر پر دیکھ کر پردہ کرے گی؟ اور اس کو یہ خیال ہوگا کہ کوئی نامحرم شخص آ گیا ہے۔ اس لئے پردہ کرنا چاہیے۔ اور یا خاوند کو غیرت محسوس ہو گی کہ کوئی اجنبی شخص گھر میں آ گیا ہے۔ اور میری بیوی سامنے ہے۔ نہیں! بلکہ آئینہ میں انہیں خاوند بیوی کی شکلوں کا بروز ہوتا ہے۔ اور کوئی بروز کو غیر نہیں جانتا۔ اور نہ ان میں کسی قسم کی دوئی ہوتی ہے۔ یہی حالت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی ہے۔ وہ کوئی غیر نہیں اور نہ آنحضرت صلعم سے جدا ہے۔ اور کسی نئی تعلیم یا شریعت کو لے کر آنے والا نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلعم ہی کا بروز اور آپ ہی کی آمد ہے۔ جس وجہ سے آنحضرت صلعم کو اس کے آنے سے کوئی غیرت دامنگیر نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کو اپنے ساتھ ملایا ہے۔ یہی سر ہے آپؐ کے اس ارشاد میں کہ وہ میری قبر میں دفن کیا جاوے گا۔ یہ امر غایت اتحاد کی طرف رہبری کرتا ہے۔ (اخبار الحکم قادیان۔ ۱۰ مئی ۱۹۰۳ء)

(۵): تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر نبی بروز کے طور پر قائم مقام نبی ہو جاتا ہے۔ یہی معنی اس حدیث کے ہیں۔ یعنی میری امت کے علماء مثیل انبیاء ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلعم نے علماء کو انبیاء قرار دیا اور ایک حدث میں ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ہمیشہ میری امت میں چالیس آدمی ابراہیم کے قلب پر ہوں گے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے ان کو مثیل ابراہیم قرار دیا ہے۔۔۔۔غرض تشبہ بالانبیاء ہے جو اصل حقیقت اتباع ہے۔ اور صوفیوں کا مذہب ہے کہ جب تک انسان ایمان اور اعمال اور اخلاق میں انبیاء علیہم السلام سے ایسی مشابہت پیدا نہ کرے کہ خود وہی ہو جائے تب تک اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔۔۔۔پس نہایت ظلم اور خیانت ہے کہ قبل اس کے کہ دین کی کتابوں کو دیکھا جائے دنیا داروں کی مقدمہ بازی کی طرح تراشیدہ بات پیش کی جائے۔ (افسوس! صد افسوس! ہمارے مخالف علماء بالکل ایسا ہی کرتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ویب ماسٹر) خدا نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ تا دنیا میں ان کے مثیل قائم کرے۔ اگر یہ بات نہیں تو پھر نبوت لغو ٹھہرتی ہے۔ نبی اس لئے نہیں آتے کہ ان کی پرستش کی جائے بلکہ اس لئے آتے ہیں کہ لوگ ان کے نمونے پر چلیں اور ان سے تشبہ حاصل کریں۔ اور ان میں فناء ہو کر گویا وہی بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (یعنی ان کو کہہ دو کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو، تا خدا تعالیٰ تم سے محبت رکھے اور تمہیں اپنا محبوب بنالیوے۔ ترجمہ از مرزا صاحبؒ) پس اللہ جس سے محبت کرے گا کون سی نعمت ہے جو اس سے اٹھا رکھے گی۔ اور اتباع سے مراد بھی مرتبہ فنا ہے جو مثیل کے درجے تک پہنچا تا ہے اور یہ مسئلہ سب کا مانا ہوا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرے گا مگر وہی جو جاہل سفیہ یا ملحد بے دین ہوگا۔ (ایام الصلح۔ ص ۱۶۳ تا ۱۶۴)

مظہر

(۱): ہمارے مولیٰ جناب مقدس خاتم الانبیاء کی نسبت صرف مسیحؑ نے ہی بیان نہیں کیا کہ آنجناب کا دنیا میں تشریف لانا درحقیقت خداتعالیٰ کا ظہور فرمانا ہے بلکہ اس طرز کا کلام دوسرے نبیوں نے بھی آنحضرت صلعم کے حق میں، اپنی اپنی پیشگوئیوں میں بیان کیا ہے۔ اور استعارہ کے طور پر آنجنابؐ کے ظہور کو خداتعالیٰ کا ظہور قرار دیا ہے۔ بلکہ بوجہ خدائی کے مظہر اتم ہونے کے جناب کو خدا کر کے پکارا ہے چنانچہ۔۔۔۔زبور کا یہ فقرہ کہ ''اے خدا تیرا تحت ابدالآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔'' یہ محض بطور استعارہ ہے۔ جس کی غرض یہ ہے کہ جو روحانی طور پر شان محمدیؐ ہے۔ اس کو ظاہر کردیا جائے پھر یسعیاہ نبی کی کتاب ۔۔۔۔(کا) یہ فقرہ کہ ''خداوند خدا ایک بہادر کی مانند نکلے گا'' یہ بھی استعارہ کے آنحضرت صلعم کے پُر ہیبت ظہور کا اظہار کر رہا ہے۔۔۔۔''

(توضیح مرام۔ص ۱۷ تا ۱۹ حاشیہ)

(۲): یہ نقطہ محمدیہ ظلی طور پر مستجمع جمیع مراتب الوہیت ہے۔ اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں حضرت مسیح کو ابن سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اور بباعث اسی نقصان کے جوان میں باقی رہ گیا ہے۔ کیونکہ حقیقت عیسویہ مظہر اتم صفات الوہیت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ برخلاف حقیقت محمدیہؐ کے۔ کہ وہ جمیع صفاتِ الہیہ کا اتم واکمل مظہر ہے۔ جس کا ثبوت عقلی ونقلی طور پر کمال درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ سو اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں ظلی طور پر خدائے قادر ذوالجلال سے آنحضرت صلعم کو آسمانی کتابوں میں تشبیہہ دی گئی ہے۔ جو ابن کے لئے بجائے اب ہے۔ (سرمہ چشم آریہ۔ص ۱۶۴ تا ۱۶۵)

(۳): پیغمبر الوہیت کے مظہر اور خدانما ہوتے ہیں۔ پھر سچا اور معتقد وہ ہوتا ہے جو پیغمبروں کا مظہر بنے۔ صحابہ کرامؓ نے اس راز کو خوب سمجھا تھا۔ اور وہ رسول کریم صلعم کی اطاعت میں ایسے گم ہوئے اور کھو گئے کہ ان کے وجود میں اور کچھ باقی رہا ہی نہیں تھا۔ جو کوئی ان کو دیکھتا تھا ان کو محویت کے عالم میں پاتا تھا۔ یہ بات اچھی طرح پر اپنے ذہن نشین کرلو کہ جب تک یہ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم میں سکونت کرے۔ اور خداتعالیٰ کے آثار تم میں ظاہر ہوں۔ اس وقت تک شیطانی حکومت کا عمل دخل موجود ہے۔ (ملفوظات۔جلد ۲۔ص ۱۶۸)

مجاز اور استعارہ

(۱): جس طرح ایک صاف آئینہ میں جو آفتاب کے مقابل پر رکھا گیا ہے۔ آفتاب کا عکس ایسے پورے طور پر پڑتا ہے کہ مجاز اور استعارہ کے رنگ میں کہہ سکتے ہیں کہ وہی آفتاب جو آسمان پر ہے اس آئینہ میں بھی موجود ہے۔ ایسا ہی خدا ایسے دل پر اترتا ہے جو اسکے دل کو اپنا عرش بنالیتا ہے۔ یہی وہ امر ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ پہلی کتابوں میں جو کامل راستبازوں کو خدا کے بیٹے کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بھی یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ درحقیقت خداتعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ یہ تو کفر ہے اور خدا بیٹوں بیٹیوں سے پاک ہے۔ بلکہ یہ معنے ہیں کہ ان کامل راستبازوں کے آئینہ صافی میں عکسی طور پر خدا نازل ہوا تھا۔ اور ایک شخص کا عکس جو آئینہ میں ظاہر ہوتا ہے استعارہ کے رنگ میں گویا وہ اس کا بیٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ بیٹا باپ سے پیدا ہوتا ہے ایسا ہی عکس اپنے اصل سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جب کہ ایسے دل میں جو نہایت صافی ہے اور کوئی کدورت اس میں نہیں رہی۔ تجلیات الہیہ کا انعکاس ہوتا ہے۔ تو وہ عکسی تصویر استعارہ کے رنگ میں اصل کے لئے بطور بیٹے کے ہوجاتی ہے۔ اسی بناء پر توریت میں کہا گیا ہے کہ یعقوب میرا بیٹا بلکہ پہلوٹھا بیٹا ہے۔ اور عیسیٰ ابن مریم کو جو انجیلوں میں بیٹا کہا گیا ہے۔ اگر عیسائی لوگ اسی حد تک کھڑے رہتے کہ جیسے ابراہیم اور اسحاق اور اسماعیل اور یعقوب اور یوسف اور موسیٰ اور داؤد اور سلیمان وغیرہ خدا کی کتابوں میں استعارہ کے رنگ میں خدا کے بیٹے کہلائے ہیں۔ ایسا ہی عیسیٰ بھی ہے۔ تو ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ کیونکہ جیسا کہ استعارہ کے رنگ میں ان نبیوں کو پہلے نبیوں کی کتابوں میں بیٹا کر کے پکارا ہے۔ ہمارے نبی صلعم کو بعض پیشگوئیوں میں خدا کر کے پکارا گیا ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ وہ تمام نبی خدا کے بیٹے ہیں اور نہ آنحضرت صلعم خدا ہیں۔ بلکہ یہ تمام استعارات ہیں محبت کے پیرایہ میں۔ ایسے الفاظ خداتعالیٰ کے کلام میں بہت ہیں۔ جب انسان خداتعالیٰ کی محبت میں ایسا محو ہوتا ہے جو کچھ بھی نہیں رہتا۔ تب اسی فناء کی حالت میں ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں کیونکہ اس حالت میں ان کا وجود درمیان میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یعنی ان لوگوں کو کہہ۔ اے میرے بندو! خدا کی رحمت سے نومید مت ہو۔ خدا تمام گناہ بخش دے گا''۔ اب دیکھو! اسی جگہ (اے اللہ کے بندو!) کی جگہ (اے میرے بندو!) کہہ دیا۔ حالانکہ

لوگ خدا کے بندے ہیں نہ آنحضرت صلعم کے بندے۔ مگر استعارہ کے رنگ میں بولا گیا۔ ایسا ہی فرمایا: ''یعنی جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت خدا کی بیعت کرتے ہیں۔ یہ خدا کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر ہے''۔ (۴۸:۱۰)۔

اب ان تمام آیات میں آنحضرت صلعم کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ٹھہرایا گیا۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ خدا کا ہاتھ نہیں ہے۔ ایسا ہی ایک جگہ فرمایا: ''پس تم خدا کو یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو'' (۲:۲۰۰) پس اس جگہ خدا تعالیٰ کو باپ کے ساتھ تشبیہہ دی اور استعارہ بھی صرف تشبیہہ کی حد تک ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ نے یہودیوں کا ایک قول بطور حکایت عن الیھود قرآن شریف میں ذکر فرمایا ہے۔ اور وہ قول یہ ہے کہ: ''یعنی ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں'' (۵:۱۸)۔ اس جگہ ابناء کے لفظ خدا تعالیٰ نے کچھ رد نہیں کیا کہ تم کفر بکتے ہو۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اگر تم خدا کے پیارے ہو تو پھر وہ تمہیں کیوں عذاب دیتا ہے۔ اور ابناء کا دوبارہ ذکر بھی نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کی کتابوں میں خدا کے پیاروں کو بیٹا کر کے بھی پکارتے تھے۔ (حقیقۃ الوحی۔ ص۶۳ تا ۶۴)

(۲): خدا تعالیٰ ہمیشہ استعاروں سے کام لیتا ہے۔ اور طبع خاصیت اور استعداد کے لحاظ سے ایک کا نام دوسرے پر وار کر دیتا ہے۔ جو ابراہیمؑ کے دل کے موافق دل رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ابراہیمؑ ہے اور جو عمر فاروقؓ کا دل رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک عمر فاروقؓ ہے۔ (فتح اسلام۔ ص۹)

(۳): قرآن شریف میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ہم نے لوہا اتارا اور چار پائے (مویشی) اتارے۔ (۳۹:۶)۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تمام مویشی توالدو تناسل کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں۔ کسی شخص نے کوئی گھوڑا یا بیل یا گدھا وغیرہ آسمان سے اترتا کبھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ اس جگہ صریح لفظ نزول موجود ہے اور کوئی اس آیت کو ظاہر پر حمل نہیں کرتا۔ پھر جب کہ یہ معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی کلام میں ایسے ایسے استعارات و مجازات و کنایات بھی موجود ہیں ۔۔۔۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ اسی طرح پر واقعہ ہے کہ اترنا کسی چیز کا بیان فرمانا ہے اور اصل مقصود اس اترنے کا کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ص۱۰۶ تا ۱۰۷)

(۴): مجازی کلمات کو حقیقت پر اتارنا گویا ایک خوبصورت معشوق کا ایک دیو کی شکل میں خاکہ کھینچنا ہے۔ بلاغت کا تمام مدار استعارات لطیفہ پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ کے کلام نے بھی جو ابلغ الکلام ہے۔ جس قدر استعاروں کو استعمال کیا ہے اور کسی کے کلام میں یہ طرز لطیفہ نہیں ہے۔ (توضیع مرام۔ ص۷)

(۵): ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے آنحضرت صلعم نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے ۔۔۔۔ عرب کے لوگ تو اب تک انسان کے فرستادہ کو بھی رسول کہتے ہیں۔ پھر خدا کو کیوں یہ حرام ہو گیا کہ مرسل کا لفظ مجازی معنوں پر بھی استعمال کرے۔ کیا قرآن میں سے **فقالوا انا الیکم مرسلون** (یٰس ۳۶:۱۴) بھی یاد نہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے ''سو انہوں نے کہا ہم تمہاری طرف رسول ہیں۔'' اور بقول مفسرین یہاں مرسلون کا لفظ غیر نبیوں یعنی حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے لئے بولا گیا ہے۔ ویب ماسٹر)۔ انصافاً دیکھو! کیا یہی تکفیر کی بناء ہے۔ اگر خدا کے حضور پوچھے جاؤ۔ تو بتاؤ کہ میرے کافر ٹھہرانے کے لئے تمہارے ہاتھ میں کون سی دلیل ہے؟ بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بے شک ہیں۔ اور جیسے یہ محمول نہیں، ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔ میرے پر یہی کھولا گیا ہے کہ حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیین کے بعد بکلی بند ہیں۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کی رو سے آ سکتا ہے اور نہ کوئی قدیم نبی۔ (سراج منیر۔ ص۳،۲)

(۶): ترجمہ: ''اور میرا نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی رکھا گیا۔ مجاز کے طریق پر نہ علی وجہ الحقیقت''۔

(حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہونے والی ان کی آخری کتاب۔ حقیقۃ الوحی الاستفتاء۔ ص۶۵)

آخری وصیت

''خدا تعالیٰ سے ڈرو اور مجاز کو حقیقت پر حمل نہ کرو'' (سلسلہ تصنیفات احمدیہ۔ جلد ہفتم۔ ص۴۱۲ مطبوعہ لاہور)

☆☆☆☆

جناب پروفیسر غلام جیلانی کامران

نظریہ پاکستان اور ہمارے فکر کی آزمائش

(یہ مقالہ معروف دانشور اور شاعر نے لاہور کی ایک مجلس میں فروری 1972ء میں پڑھا تھا۔ اس کے مندرجات آج ہر ایک دردمند پاکستانی کے لئے لمحہ فکریہ ہیں)۔

یہ سوال کہ نظریہ پاکستان کیا ہے؟ دراصل اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہماری قومیت کی نظریاتی بنیاد کیا ہے؟ بعض دانشور اس سوال کی موجودگی ہی سے انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قومیت کے ضمن میں نظریاتی بنیاد کی تلاش سرے ہی سے غلط ہے۔ بعض دانشور جو اس سوال کی موجودگی کو مانتے ہیں کہتے ہیں کہ نظریہ پاکستان کے معنی پاکستان کے قائم ہونے سے پہلے اور تھے اور ۱۹۷۱ء تک اور تھے، اب بالکل ہی اور ہیں۔ نظریہ پاکستان 1947ء سے قبل دو قومی نظریے کا ہم معنی تھا۔ اور ۱۹۴۷ء کے بعد اس نظریے کی بنیاد متحدہ قومیت پر تھی۔ ۱۹۷۱ء میں ایک قوم جو مشرقی اور مغربی پاکستان میں بستی تھی، بعض اسباب کی بناء پر تقسیم ہوگئی۔ اور اس طرح نظریاتی بنیاد، جغرافیائی بنیاد میں بدل گئی۔ یہ اندازِ فکر بھی ایک اعتبار سے نظریاتی بنیاد کی بجائے قومیت کی جغرافیائی بنیاد ہی کی تائید کرتا ہے۔

نظریہ پاکستان اور موجودہ مشکلات

میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نظریہ پاکستان کو بدلے ہوئے زمانے میں زیر بحث لانا بڑی حد تک دشوار ہے کیونکہ ان دنوں بعض نئی مشکلیں بھی ظاہر ہوئی ہیں۔ پچھلے دنوں ایک مجلس میں یہ موضوع زیر بحث تھا کہ مذہب کی افادیت ختم ہو چکی ہے۔ استدلال یہ تھا کہ مذہب ہماری نظریاتی اساس کے تحفظ کے لئے مددگار ثابت نہیں ہوا۔ اس دلیل میں مضمر معانی یہ تھے کہ نظریاتی اساس کو مذہب سے منسوب کرنا یا تو سرے سے ہی غلط ہے یا اسے مناسب طور پر علم سیاسیات کے اصطلاحی معانی پہنانے میں کہیں کوئی غلطی رہ گئی ہے۔ ایک نوجوان جو نئے علوم سے متاثر ہے اور ذہین بھی ہے، برصغیر میں اسلام کے رول کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اسلام کی برصغیر میں آمد یقیناً ایک نعمت تھی کیونکہ نسلی امتیاز میں جکڑے ہوئے لوگوں کو اسلام ہی نجات کا راستہ دکھاتا تھا۔ ہندو سماج کے نچلے طبقوں کے لئے اسلام آزادی لے کر ظاہر ہوا تھا۔ اس لئے آزادی کی تلاش میں لوگ مسلمان ہوتے چلے گئے۔ لیکن ایک ہزار برس کی تاریخ نے انہیں یہ تلخ سبق دیا کہ آزادی ان کی قسمت نہیں ہے۔ اس لئے اب وہ آزادی کی تلاش میں سوشلزم کی طرف جھک رہے ہیں۔ برصغیر میں مسلمان تعلیمیافتہ نوجوانوں کا سوشلزم کی طرف جھکاؤ اس لئے ہے کہ اسلام کے دائرے میں ان کی توقعات پوری نہیں ہوئیں۔ یہ رائے جس ذہنی افق کو پیش کرتی ہے وہ خاصہ چونکا دینے والا ہے لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ پریشان کن وہ رائے ہے جو ایک ایسے دانشور کی ہے جس کی وسعت مطالعہ پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا کہنا ہے کہ مشرقی پاکستان مغربی بنگال، آسام، اُڑیسہ اور بہار کے علاقے میں ایک نیا انسانی منظر ظاہر ہو رہا ہے۔ جس میں مظلوم لوگ اپنی آزادی کے لئے اس ظلم سے لڑ رہے ہیں جو استحصال پسند قوتوں کی طرف سے ان پر نسل در نسل ہوتا رہا ہے۔ اس دانشور کی رائے میں یہ مظلوم لوگ پندرہ کروڑ انسانوں کی وہ قوت فراہم کرتے ہیں جس سے ایک نئی صبح طلوع ہو رہی ہے۔ یہ انسانی قوت مسلمانوں اور غیر مسلموں کی متحدہ قوت ہے۔ گو اس میں مسلمان ۳۳% سے زیادہ کی اہمیت حاصل نہیں کرتے۔ اس دانشور کی نظر میں انسانوں اور بالخصوص مظلوم انسانوں کو مسلمان اور غیر مسلم میں تقسیم کرنا غلط ہے۔ تاہم یہ رائے جس سوال کو اٹھاتی ہے یہ ہے کہ طلوع ہونے والی نئی صبح کا اس صبح کے ساتھ کیا رشتہ ہے جسے ہم قیام پاکستان کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کا غیر مسلموں کی اکثریت میں جذب ہونا (خواہ یہ اکثریت سوشلزم ہی کے دائرے میں کیوں نہ ہو) قومیت کے اس تصور کی نفی تو نہیں کرتا جو برصغیر میں مسلمانوں کی جدوجہد آزادی سے وابستہ ہے؟ جس نکتہ نظر کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے دانشوروں کا ایک بڑا حصہ مسلم قومیت کے تصور کو کارآمد خیال نہیں کرتا۔ شاید یہی بات ہے کہ مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے ایک نوجوان نے بڑی سنجیدگی سے کہا کہ فکری طور پر اس کا ذہن پریشان ہو گیا ہے۔

اسے معلوم نہیں ہوتا کہ کونسی رائے درست ہے؟ نظریہ پاکستان پر اعتقاد اس کے لئے ذہنی اور فکری آزمائش بن چکا ہے۔

ان تکلیف دہ حقیقتوں کے تذکرے کی معافی چاہتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ نظریہ پاکستان کے لئے سوشلزم کا لفظ ہی دشواریاں پیدا نہیں کرتا۔ میں اس مسئلے پر کچھ دیر کے بعد اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔ نظریہ پاکستان پر بین الاقوامی فکری رائے عامہ بھی برابر اثر انداز ہو رہی ہے۔ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ سیکولر دنیا میں نظریہ پاکستان کے لئے کوئی قابل فہم گنجائش نہیں ہے۔ بین الاقوامی پریس کا نکتہ نظر یہ ہے کہ ہمارا نظریہ قومیت زمانے کے تقاضے پورے نہیں کر سکا اس لئے اب ہمیں اپنی قومیت کے لئے نیا جواز تلاش کرنا چاہیے۔ غیر ملکی نامہ نگاروں کا خیال ہے کہ مذہب افراد کو قومی شخصیت میں ڈھالنے کے لئے موثر وسیلہ ثابت نہیں ہوا۔ ہندوستان کے صدر نے ایک تقریر میں اشارہ کیا ہے کہ جو کچھ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان رونما ہوا ہے وہ اس امر کی شہادت ہے کہ افراد کی محرومیوں کا دباؤ مذہبی رشتوں کو منقطع کر سکتا ہے۔ ان خیالات کا مقابلہ بیس بائیس برس قبل کی تحریروں سے کیا جائے تو ایک عجیب تاثر ملتا ہے۔ ایلفر ڈگیلم نے اپنی کتاب ''اسلام'' میں پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان میں اسلامی اقدار کی روشنی میں معاملات ریاست کو طے کرنے کی زبردست خواہش پائی جاتی ہے۔ پاکستان کی ایسی کوشش خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار فرناؤ نے اپنی کتاب ''مسلمز آن دی مارچ'' میں کیا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے مانچسٹر گارڈین میں مسز زنیکن نے لکھا تھا کہ مغربی پاکستان کا تعلق مون سون کے خطے سے ہے لیکن اس موسمی اور جغرافیائی تفاوت کے باوجود دونوں بازوؤں نے ایک قومی شخصیت کو اختیار کیا ہے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا جب یہ کہا گیا کہ پاکستان ایک ایسی فکری تجربہ گاہ ہے جہاں مذہب کو قومیت کی اساس بنا کر علم سیاسیات میں ایک قابل ستائش اضافے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن اب رائے بدل چکی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہم اس تاریخ ساز تجربے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ یعنی مذہب کی موجودگی قومیت کے رابطے کی ضمانت نہیں بن سکتی۔ اپنی کتاب ''روڈ ٹو مکہ'' میں محمد اسد نے لکھا ہے کہ جب میں ۱۹۳۵ء کے قریب لاہور پہنچا تو میری ملاقات ڈاکٹر محمد اقبال سے ہوئی۔ اقبال نے مجھے کہا کہ میں ہندوستان ہی میں رک جاؤں۔ حالانکہ میں مشرقی ترکستان، چین اور انڈونیشیا جانے کے لئے تیار تھا۔ اقبال کا کہنا تھا کہ میں ہندوستان میں ٹھہر کر مستقبل کی اسلامی مملکت کے لئے فکری موضوعات پر غور و فکر کروں۔ گو یہ مملکت ابھی اس فلسفی شاعر کے ذہن ہی میں تھی۔ میری نظر میں اقبال کا کہنا ہر اعتبار سے درست تھا کہ اسلام کی سوئی ہوئی امیدوں کا احیاء صرف ایک ایسی مملکت کے قیام سے ممکن ہو سکتا ہے جو نسلی بنیادوں کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر استوار ہو۔

نظریہ پاکستان کا علمی اور فکری مقام

نظریہ پاکستان کے بارے میں بین الاقوامی رائے عامہ کے تذکرے کے بعد ایک ایسے مسئلے کی طرف آتا ہوں جس کو پچھلے چوبیں برسوں کے دوران عموماً نظر انداز کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس مملکت کی نظریاتی اساس کا بڑی شدومد سے ذکر ہوتا رہا تھا۔ وہ اساس فکری طور پر اتنی کمزور کیوں ثابت ہوئی ہے کہ اپنوں اور غیروں کی سنگباری سے متواتر مجروح ہوتی گئی ہے۔ ''اسلام ان ماڈرن ہسٹری'' میں ویلفر ڈسمتھ کا کہنا ہے کہ پاکستان کی متعدد تکلیفیں اس لئے پیدا ہوئیں کہ اس مملکت کے دانشوروں نے ایک طبقے کی حیثیت سے اس کی نظریاتی حفاظت نہیں کی۔ غالباً صداقت یہ ہے کہ پاکستان کے دانشور پاکستان سے بے تعلق رہے ہیں۔ شاید اسی لئے پاکستان میں موثر تصورات کی کمی رونما ہوئی۔ کوئی بھی معاشرہ تصورات کی افزائش کے بغیر ان مسائل کو حل نہیں کر سکتا جن کے ساتھ وہ دوچار ہوتا ہے۔ اقبال کی وفات کے بعد سے پاکستان کے مسلمان دانشور اس میدان میں بری طرح خاموش ہیں۔ پاکستان کی یونیورسٹیوں، اخباروں اور شائع شدہ تحریروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب ذرائع اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ملک کی نظریاتی حفاظت کا دارومدار اس ملک کے اہل الرائے اصحاب پر ہوتا ہے کہ وہ صحیح طریقے پر غور و فکر کرتے رہیں۔ دانشوروں نے اپنے طور پر باور کیا ہے کہ ان کا کام مذہبی اور اخلاقی مسائل پر غور و فکر کرنا نہیں ہے۔ حالانکہ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ عقل و خرد کا کام بھی انسان اور الٰہیاتی سچائیوں کے درمیان رابطہ قائم کرنے کا ہوتا ہے۔ پاکستان کے مغرب زدہ دانشور اپنی نظریاتی اساس کو مضبوط کرنے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

میں نے اتنی تفصیل سے ان مختلف باتوں کا اس لئے تذکرہ کیا ہے کہ نظریہ

پاکستان کے علمی وفکری مقام کا اندازہ ہو سکے۔ اور غالباً یہ واضح ہو چکا ہوگا کہ اس نظریے کو کونسی مخالف قوتوں کا سامنا ہے۔ ہم سے کتنی کوتاہی سرزد ہوئی ہے اور اس پس منظر میں نظریہ پاکستان کو سمجھنے اور اسے دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہمیں اپنے فکر کو کیسے استعمال کرنا ضروری ہے؟

اب میں نظریہ پاکستان کا ذکر کرتا ہوں۔ پاکستان کا نظریہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جسے کوئی نہ جانتا ہوں۔ قائداعظمؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو کچھ برصغیر کے مسلمانوں کے دل میں تھا اسے میں نے صرف کھلے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ یوں دیکھنے سے نظریہ پاکستان وہ اضطراب ہے، وہ خواہش ہے جو برصغیر کے مسلمان محسوس کرتے تھے۔ نظریہ پاکستان سب سے پہلے وطن کا تصور ہے اور وہ وطن پچھلے چوبیس برسوں سے موجود ہے۔ چوبیس برسوں کے دوران اسکی جغرافیائی صورت کیا تھی اور ۱۹۷۱ء کے بعد کیا ہے؟ یہ ایک الگ سوال ہے۔ تاہم ضمنی طور پر کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ مسلم بنگال نظریہ پاکستان ہی کا منطقی نتیجہ ہے کیونکہ اگر اس کی مقامی تاریخ نظریہ پاکستان کی حمایت سے محروم ہوتی تو عین ممکن تھا کہ مسلم بنگال، مقبوضہ کشمیر ہی کی طرح ہندوستانی پرچم کے زیر نگین ہوتا۔ مسلم بنگال کے مستقبل کا دارومدار (برصغیر کی سیاسیات کے پس منظر میں) اب بھی دو قومی نظریئے ہی پر ہے۔

وطن کا تصور اور نظریہ پاکستان

وطن کے تصور کے طور پر نظریہ پاکستان کو ماضی قریب کی تاریخ سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور اصولی طور پر برطانوی اقتدار کی سیاسی حقیقتوں ہی کی روشنی میں دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ وطن کا تصور وطن حاصل کرنے کی جدوجہد کے ان مسائل سے وابستہ ہے جو برطانوی اقتدار کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ کے طالب علم وطن کے تصور کو جن مسائل اور حقیقتوں کے ساتھ جوڑتے ہیں وہ یوں ہیں۔

(۱): غیر مسلم اکثریت کا جمہوری طریق کار کے دائرے میں ناقابل اعتماد دباؤ۔

(۲): زندگی کے معاشی کاروبار میں غیر مسلم اکثریت کا استحصالی انداز۔۔ اور

(۳): غیر مسلم اکثریت کا نسلی طبقاتی نظام

تاریخ کے طالب علم عموماً ان مسائل کو وطن حاصل کرنے کی جدوجہد کا محرک ٹھہراتے ہیں۔ اور پچھلے چوبیس برسوں کے دوران ان وجوہات کو تعلیمیافتہ حلقوں میں خاصی اہمیت ملی ہے۔ وطن حاصل کرنے کے لئے اور اس طرح وطن کے تصور کو قائم کرنے کے لئے یہ وجوہات، جو اپنے زمانے میں کافی وزنی تھیں، چوتھائی صدی گذرنے کے بعد ناموافق حالات کے خلاف مخفی احتجاجی دکھائی دیتی ہیں اور چونکہ ان وجوہات کے پیچھے بے یقینی خوف اور ڈر نظر آتا ہے (اکثریت کا خوف، مسلسل غربت کا اندیشہ اور نسلی امتیاز کی سوسائٹی میں دھتکاری ہوئی مخلوق بن جانے کا ڈر) اس لئے ان کو نظریہ پاکستان کے تصور وطن میں بنیادی مقام دینا غیر مفید محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ پچھلے چوبیس برسوں کے دوران ہندوستان میں ان وجوہات کو سیکولرازم اور سوشلزم کی مدد سے ناکارہ کرنے کی منظم کوششیں کی گئی ہیں۔ اس لئے اگر ہم اپنے تصور وطن کو ان وجوہات پر قائم کریں۔ اور تاریخی یادداشت میں برطانوی اقتدار کا برصغیر موجود رہے۔ اور یہ وجوہات وقت کے ساتھ بے معنی دکھائی دیں۔ اور کسی طرح ایک نیا معاشی نظام، اور ایک منفی روشن خیال انسانی سوچ، ذہنوں پر اثر انداز ہو، تو ہمارا تصور وطن ان معنوں میں اپنی اساس کھو سکتا ہے۔ نظریہ پاکستان کی تشریح ووضاحت کے لئے ان دلائل کا استعمال متروک ہو چکا ہے!

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ دلائل متروک ہو چکے ہیں، تو پھر تصور وطن کے لئے کون سا جواز تلاش کیا جا سکتا ہے؟

برصغیر میں مسلمانوں کی آبادی کا حجم ان کے ماضی کی تاریخ اور ان کی روایات ایسے استدلال تھے جن سے ان کے حق قومیت کو ایک علیحدہ وطن کے تصور میں منتقل کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ استدلال محض علم سیاسیات کے اصولوں ہی پر مبنی نہ تھا۔ قائداعظمؒ کا کہنا تھا کہ چونکہ مسلمانوں سے حکمرانی اور اقتدار کا حق انگریزوں نے چھینا تھا اس لئے انگریزوں کے لئے یہ حق مسلمانوں کو واپس لوٹانا لازم ہے۔ یہ دلیل مسلمانوں کے حکمرانی کے حق کو پیش کرتی ہے۔ لہٰذا تصور وطن، برصغیر کے حالات میں مسلمانوں کے حق حکمرانی کی تصدیق کرتا ہے۔ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کے حق حکمرانی کی شہادت ہے اور نظریہ پاکستان میں حکمرانی کا 'یہ حق' ناقابل تقسیم ہے۔ اس سچائی کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ بحیثیت قوم ہمارا حق تھا کہ ہم اقتدار اعلیٰ حاصل کرتے، ہمارا تصور وطن اس اقتدار اعلیٰ کے حصول کو پورا کرتا ہے۔ نظریہ پاکستان، برصغیر میں مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ کو تاریخی اور سیاسی تحفظ دیتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا یہ اصول واضح طور پر اکثریت، اقلیت، استحصال ۔۔۔ استعمار کی اصطلاحوں سے جدا ہے۔ تصور وطن کا جواز، اقتدارِ اعلیٰ ہی کے

رشتے سے قابلِ قبول بنتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے اقتدار اعلیٰ کے قیام کے لئے وطن حاصل کیا۔ اس سچائی کے سوا تصور وطن کا کوئی اور جواز نہ تو تاریخی ہے اور نہ اس اعتبار سے درست ہے۔ اسی ضمن میں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ تصور وطن کو تحفظ کے اصول کے ساتھ منسوب کرنا بھی غلط ہے کیونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی تحریک آزادی، اس برصغیر میں اقتدارِ اعلیٰ کے لئے جدوجہد تھی۔

نظریہ پاکستان اور مسلمانوں کے حق حکمرانی کا نظریہ

نظریہ پاکستان برصغیر میں مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ اور ان کے حق حکمرانی کا نظریہ ہے!

اس سچائی کو پیش کرتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ اس وقت اقتدار اعلیٰ اور حق حکمرانی فی الواقع پاکستان کی مملکت میں موجود ہیں۔ تاہم یہ پوچھنا غیر مناسب نہیں ہے کہ نظریہ پاکستان کو زمانہ حاضر میں کیسے پہچانا جاسکتا ہے اور اس کی تعریف کیا ہے؟ یہ سوال بنیادی نوعیت کا ہے۔ اور اسے یوں بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اقتدار اعلیٰ کا حصول کیوں ضروری تھا؟ اور اقتدار اعلیٰ کی موجودگی میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اقتدار اعلیٰ با مقصد ہے؟ یہ سوال نظریہ پاکستان کو مختلف طور پر زیر بحث لاتا ہے۔

ہماری زندگی کے اس موڑ پر جہاں ہم اس زمانے میں موجود ہیں، نظریہ پاکستان دو لفظوں کا مرکب ہے جس میں پاکستان کا وجود ہے اور نظریہ اس وجود کا جوہر ہے۔ ان لفظوں کے اتصال سے با مقصد اقتدار اعلیٰ کا مقام ظاہر ہوتا ہے۔ اس مقام کے اردگرد الفاظ کے کئی ہجوم دکھائی دیتے ہیں۔ یہ الفاظ تضاد کی صورتوں میں ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ اور ان کے معانی اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان لفظوں میں سے چند مگر اہم الفاظ یہ ہیں۔

غریب۔۔۔۔۔امیر

فاقہ کش۔۔۔۔خوشحال

بیمار۔۔۔۔۔تندرست

مظلوم۔۔۔۔۔ظالم

مجبور۔۔۔۔۔جابر

یہ الفاظ جن کی طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے، اپنے معانی کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ یعنی قطعی طور پر یہ الفاظ بے معنی ہیں تاہم ان لفظوں کے ذریعے مسلمان معاشرے کی اقتصادی، نفسیاتی اور جذباتی کہانی مرتب ہوتی ہے۔ یہ لفظ طبقوں کو پیدا کرتے ہیں۔ انسانی عمر کی مدت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور فانی زندگی کے پہلے سے مقرر کئے ہوئے مختصر عرصے کو آشوب میں بدل دیتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ الفاظ موجود رہیں تو کیا اقتدار اعلیٰ کا اصول با مقصد ثابت ہوسکتا ہے؟ اس سچائی کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے با مقصد ہونے کی راہ میں یہ الفاظ رکاوٹ بنتے ہیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کے تاریخی حق کو زائل کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ کیونکہ جب تک ایسے الفاظ کا وجود باقی ہے۔ نظریہ پاکستان میں مضمر با مقصد اقتدارِ اعلیٰ کا اصول کام نہیں کرسکتا۔

اسلامی سوشلزم اس اعتبار سے نظریہ پاکستان کی اس زمانے میں ظاہر ہونے والی صورت ہے۔ اسلامی سوشلزم ان مخصوص معنوں میں نظریہ پاکستان ہے اور با مقصد اقتدار اعلیٰ کے حصول کی جانب ایک ابتدائی مگر تاریخی قدم ہے۔ میں نے جس سوشلزم کی طرف اس مضمون کے شروع میں اشارہ کیا تھا اسے اسلامی سوشلزم کے ساتھ موازنے میں شامل کرنا ہر لحاظ سے قابل غور ہوگا۔ معاشرے کے داخلی تضاد کو جسے متصادم الفاظ پیدا کرتے ہیں، اسلامی سوشلزم کے ذریعے رفع کیا جاسکتا ہے! معاشرتی انصاف کو نافذ کئے بغیر انسانی نفسیات کی اس دوئی کو دور نہیں کیا جاسکتا جسے متصادم الفاظ نے قائم کر رکھا ہے اور جو نظریہ پاکستان کے اس کردار کی راہ میں حائل ہے جو اسے مسلمانوں کی تاریخ نے دیا ہے۔

نظریہ پاکستان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اسے آپ بخوبی جانتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ باتیں ہیں جو اس زمانے میں ہماری قومیت کے لئے دشواریاں بھی پیدا کرتی ہیں۔ تاہم ان سے یہ ضرور واضح ہو چکا ہوگا کہ تصور وطن، اقتدارِ اعلیٰ کا با مقصد ہونا اور معاشرتی انصاف کا نفاذ، نظریہ پاکستان کو سمجھنے کی کوشش میں ابتدائی مضمرات کا درجہ رکھتے ہیں۔ نظریہ پاکستان ایک منزل ہے اور یہ ابتدائی مقامات اس منزل تک پہنچنے کے لئے زینوں کا کام دیتے ہیں۔ اب میں ایک دوسرے پہلو کا ذکر کرتا ہوں۔

تاریخ کا ہر طالب علم اس حقیقت سے باخبر ہے کہ انسانی تاریخ پر ہماری بالادستی مختلف اسلامی ممالک میں مختلف موقعوں پر ختم ہوئی ہے۔ انسانی تاریخ پر

مسلمانوں کے غلبے کے ختم ہونے کی تاریخیں مختلف ہیں۔بعض اسے ۱۲۵۸ء کچھ اسے ۱۷۹۸ء اور کئی اسے ۱۸۵۷ء کا نام دیتے ہیں۔یہ تاریخیں حتمی نہیں ہیں کیونکہ ان تاریخوں سے بہت پہلے تاریخ کا دھارا ہمارے قابو سے باہر جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔انسانی فکر پر ہمارے غلبے کے ختم ہونے کی تاریخ ان تاریخوں سے بھی بہت پہلے ہے۔اس کیفیت کو ہم انحطاط اور زوال کے نام سے پکارتے ہیں۔تاہم جس زمانے میں انسانی تاریخ اور فکر پر مسلمانوں کی بالادستی تھی اس کی جانب ایک سرسری اشارہ برمحل دکھائی دیتا ہے''ویلفر ڈسمتھ'' اپنی کتاب''اسلام ان ماڈرن ہسٹری'' میں لکھتا ہے:

''مسلمانوں کی (ان ابتدائی صدیوں میں) کامیابی حیرت انگیز تھی۔ان کے زیرِ اقتدار نہ صرف وسیع علاقے تھے بلکہ وہ خود بھی عظیم تھے اور ان کا وجود عظمتوں کا وجود تھا۔انہوں نے علوم کو نئی وسعتوں سے آشنا کیا۔ان کی افواج جنگوں میں فتحیاب تھیں۔ان کا بحر و بر پر حکم چلتا تھا۔ان کی تحریر ہر جگہ مانی جاتی تھی۔ان کی عمارتیں پرشکوہ تھیں۔ان کی شاعری دلآویز تھی۔ان کا علم مرعوب کن تھا اور ریاضیات میں ان کی قدرت حیران کن تھی۔اور ان کی ٹیکنالوجی موثر اور کارگر تھی۔۔۔انہوں نے ایک نئی تہذیب کو پیدا کیا۔ان کامیابیوں نے ان کو یہ احساس دیا کہ اللہ اسلام کے ذریعہ ان سے ہمکلام ہوا اور اسلام ہی کے ذریعے اس کا دنیا میں ظہور ہوا ہے۔(اور ایسا سمجھنے میں وہ سچے تھے کیونکہ) تاریخ ان کے ایمان کی گواہی دیتی تھی''۔

نظریہ پاکستان مسلمانوں کے لئے نئی تخلیق کا نظریہ

اس اقتباس کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ نظریہ پاکستان انسانی تاریخ میں سے مسلمانوں کے انحطاط کو حذف کرنے کا نظریہ ہے۔ قائداعظمؒ کی تقریروں میں اس موضوع پر کئی اشارے ملتے ہیں۔تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ کئی برسوں کے ایسے دور کے بعد جب مسلمان اپنی تاریخ کے آپ مالک نہ تھے، ایک ایسا دور آیا ہے جب مسلمان دوبارہ تاریخ کے عمل میں بااختیار حیثیت کے مالک ہوئے ہیں۔تاریخ کے اس عمل میں شرکت، ہمارے اپنے قومی ماحول میں، نظریہ پاکستان سے منسوب ہے۔ نظریہ پاکستان کی روشنی میں ہم نہ صرف تاریخ کے عمل کا حصہ ہیں بلکہ تاریخ کو اپنے تابع کرنے کی بےشمار راہیں ہمارے سامنے ہیں۔ان راہوں میں سے کسی ایک یا دو کو منتخب کرنا ہمارا مقدر نہیں ہے۔بلکہ اپنے لئے ایک نئی تاریخ کو پیدا کرنا ہمارا مقدر ہے۔نظریہ پاکستان ہمارے لئے ایک نئی تاریخ کو تخلیق کرنے کا نظریہ ہے۔نظریہ پاکستان ماضی کا نہیں مستقبل کا نظریہ ہے۔

تاریخ کے فلسفے کی کئی علمی شکلیں ہیں۔لیکن جدید ترین فلسفیانہ نکتہ نظر یہ ہے کہ تاریخ وقت کے دائرے میں ہیشگی کو ظہور دیتی ہے۔اسی طرح یہ سچائی بھی قابل غور ہے کہ جسے زمانہ حال کہتے ہیں اس کا کوئی بھی وجود نہیں ہے۔جو زمانہ اپنے وجود کے ساتھ موجود ہے وہ زمانہ مستقبل ہے۔اس فلسفیانہ رشتے میں نظریہ پاکستان کو سمجھنا ضروری ہے۔قومی طور پر ہمارے صرف دو زمانے ہیں۔زمانہ ماضی اور زمانہ مستقبل۔جسے ہم زمانہ حال قرار دیتے ہیں وہ ہماری قوتِ اختیار کا عرصہ ہے۔جس کے استعمال سے ہر لحہ مستقبل قریب سے قریب تر آتا ہے۔قوت اختیار کے ذریعہ ہیشگی کو وقت کے دائرے میں حاصل کرنا ایک نئی تاریخ کو تخلیق کرتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم نظریہ پاکستان کو ان ذمہ داریوں کے ساتھ قبول کرنا چاہتے ہیں۔اگر ہم اپنے لئے نئی تاریخ پیدا کرنا نہیں چاہتے۔تو پھر ان سب حقیقتوں کی کوئی ضرورت نہیں جن کا میں نے ابتداء میں ذکر کیا ہے۔ہم نے زمین پر حق حکمرانی حاصل کر کے تصورِ وطن اور قومیت کو پایا ہے۔لیکن انسانی فکر پر حکمرانی کا حق ابھی ہم سے بہت دور ہے۔اس حق کی جدوجہد کے لئے قوت اختیار کا استعمال نظریہ پاکستان کی تاریخ میں شامل ہے۔نظریہ پاکستان جغرافیائی، سیاسی اور معاشرتی طور پر ہمارے فہم و ادراک کا حصہ ہے۔مگر فکری طور پر ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی۔اس موقع پر مجھے پچھلی صدی کے ایک نہایت عظیم روحانی شخصیت کا کشف یاد آتا ہے کہ وہ لندن میں ایک منبر پر کھڑے ہیں اور سفید رنگ کے پرندے ان کے ہاتھوں میں ہیں۔عظمت کے سفید پرندے مستقبل میں ہمارے قومی سفر کے منتظر ہیں۔نظریہ پاکستان اس سفر پر روانہ ہونے کے لئے ہمارا اپنی تاریخ کے ساتھ کیا ہوا عہد نامہ ہے۔

☆☆☆☆

تمام گناہوں کی جڑیں: تکبّر، حرص اور حسد

(از: اطہر رسول)

اللہ تعالیٰ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی تعریف میں ''انک لعلیٰ خلق عظیم'' فرمایا تو آنحضرت محمدؐ نے اپنی بعثت کا مقصد ان الفاظ میں فرمایا: ''میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ اخلاق عالیہ کی تکمیل کروں'' چنانچہ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے جہاں آپؐ نے اپنے اسوہ حسنہ اور نیک نمونہ سے اخلاق فاضلہ قوم میں پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، وہاں آپؐ نے ان بنیادی امور کی بھی نشاندہی کی جو انسان کو گناہوں کی اتھاہ سمندر میں دھکیل دیتے ہیں اور اخلاق فاسدہ سے بچاؤ کے لئے دعائیں بھی سکھائیں تا ان دعاؤں کے ذریعہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لا کر اپنی پیدائش کے مقصد کو پورا کر سکیں۔

آپؐ نے اخلاق حسنہ کے حصول کے لئے جہاں یہ دعا سکھائی ''اے اللہ! میں تجھ سے صحت اور پاکدامنی اور امانت اور اخلاق حسنہ اور قضا و قدر پر راضی رہنے کی دعا کرتا ہوں'' (مشکوٰۃ کتاب الدعوات)۔ وہاں ساتھ ہی اخلاق فاسدہ سے نجات کے لئے یہ دعا بھی سکھلائی ''اے اللہ! میں تیری پناہ اور حفاظت چاہتا ہوں، برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے'' (مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

لہذا ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ ان دونوں دعاؤں کو باقاعدگی سے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کی عادت اپنا لے۔ تاہم صرف دعاؤں پر اکتفا کرنے اور رسول خداؐ کے ارشادات کو پس پشت ڈالنے سے ہم اخلاق فاسدہ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں نہ ہی اخلاق حسنہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن پاک نے ہمیں ایک اصول بتا دیا ہے کہ جو نہ صرف دنیاوی امور میں ہماری رہنمائی کرتا ہے بلکہ روحانی امور میں بھی ہمیں کامیابیوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور انسان اپنی کوشش کا نتیجہ ضرور دیکھ لے گا اور اس کو پوری جزا مل جائے گی''۔ (سورۃ النجم: 42-40)

آنحضرت محمدؐ تین امور کو تمام گناہوں کی جڑ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ تین امور یا چیزیں وہ ہیں جو تمام گناہوں کی جڑ ہیں۔ پس ان تینوں سے بچو اور ان تینوں سے ہوشیار رہو۔ دیکھو تکبر سے بچو کیونکہ ابلیس کو تکبر ہی نے اس بات پر انگیخت کیا کہ اس نے حضرت آدمؑ کی فرمانبرداری سے انکار کر دیا اور حرص سے بچو کیونکہ یہ حرص اور لالچ ہی تھا جس نے حضرت آدمؑ کو درخت ممنوعہ کا پھل کھانے پر اکسایا۔ اور حسد سے بچو کیونکہ حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں میں سے ایک کو حسد نے ہی اس بات پر آمادہ کیا کہ اس نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا'' (مسلم کتاب البر والعلۃ)

پہلا امر جس کو تمام گناہوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے وہ تکبر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا ''اور ہم نے تمہیں پہلے مبہم شکل میں پیدا کیا تھا جس کے بعد تم کو تمہارے مناسبِ حال صورتیں بخشی تھیں پھر ملائکہ سے کہا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ اس پر فرشتوں نے تو آدم کی اطاعت کی مگر ابلیس نے نہ کی۔ وہ اطاعت گذاروں میں سے نہیں تھا۔ اس پر خدا نے اس سے کہا کہ میرے حکم کے باوجود تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا تھا۔

اس نے جواب دیا کہ میں تو آدم سے بہتر ہوں ۔ تو نے میری فطرت میں آگ رکھی ہے اور اس کی فطرت میں گیلی مٹی کی صفت رکھی ہے‘‘۔

اسی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ’’یاد رکھو تکبر شیطان سے آیا ہے اور شیطان بنا دیتا ہے۔ جب تک انسان اس سے دور نہ ہو، یہ قبول حق اور فیضان الوہیت کی راہ میں روک بن جاتا ہے۔ کسی طرح سے بھی تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ نہ علم کے لحاظ سے، نہ دولت کے لحاظ سے، نہ وجاہت کے لحاظ سے، نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے۔ کیونکہ زیادہ تر انہی باتوں سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور جب تک انسان ان گھمنڈوں سے اپنے آپ کو پاک صاف نہ کرے گا، اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ نہیں ہو سکتا اور وہ معرفت جو جذبات کے موادِ ردیہ کو جلا دیتی ہے اس کو عطا نہیں ہوتی کیونکہ یہ شیطان کا حصہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ شیطان نے بھی تکبر کیا تھا اور آدم سے اپنے آپ کو بہتر سمجھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خدا تعالیٰ کے حضور مردود ہو گیا اور آدم لغزش پر (چونکہ اسے معرفت دی گئی تھی) اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے لگا اور خدا تعالیٰ کے فضل کا وارث ہوا‘‘ (ملفوظات جلد 7)

اسی مضمون کو آپ اپنی کتاب ’’آئینہ کمالات اسلام‘‘ میں یوں بیان فرماتے ہیں: ’’میں سچ سچ کہتا ہوں کہ قیامت کے دن شرک کے بعد تکبر جیسی اور کوئی بلا نہیں۔ یہ ایک ایسی بلا ہے کہ جو دونوں جہانوں میں انسان کو رسوا کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا رحم ہر ایک موحد کا تدارک کرتا ہے مگر متکبر کا نہیں۔ شیطان بھی موحد ہونے کا دم مارتا ہے مگر چونکہ اس کے سر میں تکبر تھا اور آدم کو جو خدا تعالیٰ کی نظر میں پیارا تھا جب اس نے توہین کی نظر سے دیکھا اور اس کی نکتہ چینی کی اس لئے وہ مارا گیا اور طوق لعنت اس کی گردن میں ڈالا گیا۔ سو پہلا گناہ جس سے ایک شخص ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو گیا، تکبر ہی تھا‘‘۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑی گہری نظر سے ان باتوں اور امور کو بھی تکبر میں شامل فرمایا ہے جن کے مطابق انسان کبھی وہم بھی نہیں کر سکتا کہ انہیں بھی تکبر میں شامل کیا جائے۔ آپؑ فرماتے ہیں: ’’۔۔۔۔وہ شخص جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں سست ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ قوتوں اور قدرتوں کے سرچشمہ کو اس نے شناخت نہیں کیا اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھتا ہے۔ سو تم اے عزیزو! ان تمام باتوں کو یاد رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالیٰ کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے، اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے نہیں سننا چاہتا اور منہ پھیر لیتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک غریب بھائی جو اس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے، اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے اور وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی پورے طور پر اطاعت کرنا نہیں چاہتا، اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے اور وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا، اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو، تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ۔۔۔۔‘‘ (نزول المسیح)

پھر آپؑ ایک درد بھرے دل سے فرماتے ہیں ’’خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کے زہر کو دور کر دیں۔ میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر ایک شہر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تکبر کو تمام شرارتوں کی جڑ قرار دیا

اور تکبر کی باریکیوں سے بھی اجتناب کی نصیحت فرمائی تو وہ بھی اپنے آقا اور مطاع آنحضرت صلعم کی احادیث کی روشنی میں ہی فرمایا ہے کیونکہ حدیث نبوی ہے ''یعنی جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔(مشکوٰۃ کتاب الادب)

دوسرا امر جس کو آنحضرت صلعم نے تمام گناہوں کی جڑ قرار دیا ہے، وہ حرص اور لالچ ہے۔ آنحضرت صلعم ایک اور حدیث مبارکہ میں فرماتے ہیں ''اگر ابن آدم (انسان) کو دو وادیاں مال کی بھری ہوئی بھی مل جائیں، پھر بھی چاہے گا کہ تیسری وادی مال کی بھری ہوئی مل جائے۔ اور ابن آدم (انسان) کا پیٹ صرف (قبر کی) مٹی بھرے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر رجوع برحمت ہوتا ہے جو اس کے حضور توبہ کرتا ہے''۔

حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے راستے میں مالی قربانیوں سے دریغ بھی مال کی حرص ہی ہوتی ہے کہ انسان کی ضروریات ختم ہونے میں نہیں آتیں اور وہ دنیاوی عیش و آرام کے حصول کے لئے رات دن کوشاں رہتا ہے اور پھر جب یہ حرص بڑھتی ہے تو پھر ایسا انسان اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ یہ مال حلال طریق سے آرہا ہے یا حرام اور ناجائز طریق سے حاصل کیا جارہا ہے اور اس طرح اس مال کی حرص انسان کو گناہوں پر مجبور کردیتی ہے۔

تبھی تو آنحضرت صلعم ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں:

''دو بھوکے بھیڑیے جن کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے۔ اتنی خرابی اور فساد کا باعث نہیں بنتے جتنا ایک شخص کا مال کا حرص کرنا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اس کے دین کی خرابی اور فساد کا موجب ہے''

(مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

تیسرا امر جس کو آنحضرت صلعم نے تمام گناہوں کی جڑ قرار دیا ہے، حسد ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ ''حسد سے بچو کیونکہ حضرت آدم کے دو پہلوؤں میں سے ایک کو حسد نے ہی اس بات پر آمادہ کیا کہ اس نے اپنے ساتھی کو قتل کردیا''۔

آنحضرت صلعم نے اس خطرناک بیماری کا ان الفاظ میں بھی ذکر فرمایا ہے کہ ''یعنی حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے کہ آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے''۔

اس حوالے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''حسد انسان میں ایک بہت بڑا خلق ہے۔ جو چاہتا ہے کہ ایک شخص سے ایک نعمت زائل ہوکر اس کو مل جائے لیکن اصل کیفیت حسد کی صرف اس قدر ہے کہ انسان اپنے کسی کمال کے حصول میں یہ روا نہیں رکھتا کہ اس کمال میں اس کا کوئی بھی شریک ہو۔ پس درحقیقت یہ صفت خدا تعالیٰ کی ہے جو اپنے تئیں ہمیشہ وحدہ لاشریک دیکھنا چاہتا ہے''۔(نسیم دعوت)

الغرض ہر احمدی مرد اور عورت کو جہاں تمام گناہوں کی جڑ ان تین امور سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، وہاں ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ اس امور سے ہمیں بچا کے رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

بیکاری۔ ایک وبا

از: محترمہ جسارت نذر رب صاحبہ

یوں تو اس کائنات میں خدا تعالیٰ کی ان گنت مخلوقات ہیں مگر انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کو اس نے ذہنی شعور بخشا۔ نفع و نقصان کا فرق بتا کر صحیح اور غلط راستے کا تعین کیا اور یہ چند روزہ زندگی گذارنے کے لئے ہر دور میں اپنے انبیاء کو مبعوث فرمایا تا کہ انسان اپنے خالقِ حقیقی کو پہنچانے اور اس کی ہدایت کے تحت زندگی گذارے چونکہ انسان کی پیدائش اور موت کا وقت مقرر ہے۔ اس لئے اس عارضی رہائش گاہ میں کامیاب زندگی کے چند اصول بتا دیئے۔ جن میں پہلا اصول وقت کی قدر کرنا ہے۔

وقت ایک ایسا خزانہ ہے جو ہر شخص کو خواہ وہ نیک ہو یا بد، خدا نے برابر تقسیم کیا ہے۔ اس خزانے کو کیسے خرچ کیا جائے، اس کی منصوبہ بندی حقوق و فرائض کی صورت میں سونپی گئی۔ زندگی کے ہر شعبہ اور ہر دور کی ضروریات کا تعین کرتے ہوئے وقت کے استعمال کا طریقہ یہ بتایا کہ اسے اپنے اور دوسروں کے فائدہ کے لئے استعمال کیا جائے کیونکہ اسی سے انسانی معاشرے کی کامیابی وابستہ ہے۔

دین اسلام وہ واحد دین ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق تعلیم دیتا ہے اور پھر اس تعلیم پر عمل کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ مثلاً نماز کے لئے پانچ وقت مساجد میں حاضر ہونا، وقت کی پابندی کے لئے ایک تربیت ہے۔

انسان جب اپنے حقوق و فرائض پہچان لیتا ہے تو وہ بیکار رہ ہی نہیں سکتا۔ بیکار صرف وہی شخص ہوتا ہے جس کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد ہی نہ ہو۔ نوجوانوں میں خصوصاً مقصد متعین کرنے میں راہنمائی کرنا والدین کے علاوہ ان اداروں کی ذمہ داری ہوتی ہے جن میں بچے تربیت حاصل کرتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے عموماً دوسری تربیت کے ساتھ اخلاقی تربیت کے پہلو کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے بیشتر نوجوان غیر تعلیمی سرگرمیوں میں ملوث ہوتے ہیں اور پھر اپنے جیسے ساتھیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور جب کچھ منفی سوچ کے ہم مزاج لوگ مل جاتے ہیں تو غلط کاموں کی منصوبہ بندی کرتے ہیں جیسے آج کل اغوا برائے تاوان، موبائل اور دیگر قیمتی اشیاء کا گن پوائنٹ پر چھیننا، لوٹ مار قتل و غارت ایک عام شغل بن گیا ہے، جو فخریہ اپنایا جاتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا حکمران طبقہ بھی اسی قسم کے لوگوں کا ہے جو کرپشن اور کمیشن کے نام پر لوگوں کو بلیک میل کرتے اور راتوں رات امیر بننے کے لئے وارداتیں کرتے ہیں۔ یہ سب کارروائیاں وہی لوگ کر سکتے ہیں جو بیکار رہ کر اپنی مثبت سوچ ختم کر چکے ہوں اور منفی کارروائیوں پر دلیری سے عمل کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہمیں پوچھنے والا کوئی نہیں جب محاسب خود ہی ڈاکو اور چور ہوں تو پھر ڈر کس کا؟ ایسی ناجائز کمائی پر حکومت کو کوئی ٹیکس نہیں جاتا۔ لہٰذا اقتصادی ترقی بھی متاثر ہوتی ہے۔

بیکار آدمی محنت سے جی چراتا ہے اس لئے آسان ذریعہ معاش ڈھونڈتا ہے، خواہ چوری کا پیشہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن چوری بھی وہ اکیلا نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے چند ساتھیوں کی تلاش ہوتی ہے جو اس کا ساتھ دیں۔ اس کے علاوہ وہ اور بری عادتوں کا عادی ہو جاتا ہے جیسے آج کل ٹی وی پر گھٹیا فلمیں دیکھنا، کلبوں میں جانا اور غیر اخلاقی کاموں میں پڑنا، اپنے جیسے لوگوں کی تلاش اور پھر اکٹھے مل کر با قاعدہ منصوبہ بندی کے تحت لوگوں کے مال و جان اور عزت کو پامال کرنا، اور اس طرح غیر تعمیری کاموں کا عادی ہو جانا ایک خطرناک وبال ہے کیونکہ انسان کو ترقی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فطرت میں یہ مادہ رکھا ہے کہ وہ مقابلہ میں دلچسپی لیتا ہے اور لذت محسوس کرتا ہے۔ آج کل راتوں رات امیر بننے کا خواب نوجوان طبقہ میں عام ہے۔ خواہ وہ نوجوان تعلیم یافتہ ہے یا غیر تعلیم یافتہ۔ اس نے دلیر ہو کر یہ ہنر سیکھ لیا ہے کہ کب کس کو کس مقام پر بے عزت کر کے دولت لوٹنی ہے کیونکہ وہ اکیلا یہ کام نہیں کرتا بلکہ حکومت کی سرپرستی میں گینگ بنا کر با قاعدہ منصوبہ بندی سے کام ہوتا ہے یہاں تک کہ سیکورٹی ایجنسیوں کی معاونت کے ساتھ سارے کاروبار ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا معاشرہ بیکاری کا عادی ہے۔ جب تک بالائی طبقہ پر گرفت سخت نہیں ہوتی، نیچے تبدیلی نہیں آ سکتی۔

اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے وہ یہ کہ پہلے والدین اپنے بچوں کو کام کا عادی کریں پھر وہ ادارے جہاں بچے کوئی ہنر یا تعلیم حاصل کرتے ہیں یا وہ جماعتیں جن کے اپنے مخصوص پروگرام ہوں، ان میں اپنے افراد جماعت کو اتنا مصروف رکھے کہ انہیں فراغت کا موقع نہ دیں بلکہ فراغت کے اوقات کو تعمیری صحت مند کھیلوں اور پروگراموں کی شکل میں حصہ دے کر بیکاری کو ختم کریں ورنہ وہ تاش، شطرنج، جوئے، گانے بجانے اور ناچ گانے کی محفلیں ڈھونڈے گا اور اس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہو کر معاشرے کی کارکردگی کو داغدار اور کمزور کرے گا۔ دیکھا گیا ہے کہ بیکار شخص مانگنے کا عادی ہوتا ہے اگر بدقسمتی سے ایسا شخص کسی اہم عہدے پر مامور ہو تو وہ اپنے عہدے کو غلط استعمال کرتے ہوئے ناانصافی کے کام ہی کرے گا اور معاشرے کو خطرناک حد تک نقصان پہنچائے گا۔

بیکار لوگوں کی وجہ سے ملکی ترقی رک جاتی ہے کیونکہ بیکار لوگ ملک پر بوجھ ہوتے ہیں۔ ملک میں جب ایک طبقہ ایسا ہو جو آگے نہ بڑھنے والا ہو تو دوسرے لوگوں کا قدم بھی ترقی کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔ اس لئے قومی لحاظ سے بیکار لوگوں کا وجود خطرناک ہے۔ کیونکہ بیکاری سے ملکی پیداوار پر اثر پڑتا ہے اس لئے مزدوری سستی ہوتی ہے اور یوں غربت مجموعی طور پر ملک میں کئی قسم کے مسائل کا باعث بنتی ہے۔ بیکار لوگ اپنی خداداد قوتوں (جس میں حواس خمسہ بھی شامل ہیں) کو کام میں نہ لاکر اپنے اوپر کئی نعمتوں کے دروازے بند کرتے ہیں۔ اپنی عزت نفس کو پامال کرتے ہیں اور مجموعی طور پر یہ بد اثر ایک قومی سانحہ بن جاتا ہے۔ اس لئے ہر ذی شعور شخص کے لئے کسی نہ کسی تعمیری کام میں مصروف رہنا بہت ضروری ہے تاکہ انفرادی، مجموعی اور قومی نقصان سے بچا جاسکے۔ بنیادی طور پر یہ کام حکومتِ وقت کا ہوتا ہے کہ وہ ہر طبقہ، ذہن اور سوچ کے لوگوں کے لئے ایک جامع منصوبہ بندی کرے کیونکہ اس کے پاس تمام وسائل دستیاب ہوتے ہیں۔ ان وسائل کا استعمال کس طرح ہو اس کے لئے باقاعدہ راہنمائی درکار ہوتی ہے جو صرف صاحب اختیار ہی جانتے ہیں، جن پر ہر شعبہ زندگی پر نظر رکھنے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان میں بااختیار لوگ صرف ذاتی مفاد تک ہی سوچ رکھتے ہیں۔ اس لئے اس ملک میں بیکاری کی وجہ سے خداداد چاروں قوتیں مفقود ہیں (جسمانی، ذہنی، اخلاقی، روحانی) اس لئے دن ابتر حالات نمودار ہوتے ہیں۔ خدا ہم پر رحم کرے آمین۔

وفات حسرت آیات

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر بہت دُکھ ہوگا کہ ہمارے نہایت ہی محترم اور معزز بزرگ **"ملک سعید احمد صاحب"** مورخہ 5 مئی 2012ء بروز ہفتہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں 105 سال کی کارآمد عمر نصیب فرمائی الحمد اللہ۔ آپ نہایت عبادت گذار اور مستجاب الدعوات تھے۔

ملک سعید احمد مرحوم و مغفور وہ آخری بزرگ تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا تھا اور ان کے دادا نے انہیں حضرت مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ کی گود میں ڈالا تو انہوں نے حضرت مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ کا انگوٹھا چوسنا شروع کر دیا اور پھر برکت ان کو ایسی ملی کہ آخری دَم تک آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند رہے۔ ہر مشکل میں احباب جماعت ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ ان کے چلے جانے سے ہم سب غمگین ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ملک سعید احمد مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

سفید ڈھیری (پشاور)

احباب جماعت کو اطلاع دی جاتی ہے کہ سفید ڈھیری (پشاور) میں ہمارے نہایت قیمتی نوجوان طالب علم نثار احمد ولد عزیز احمد صاحب کو چند نامعلوم افراد نے گولیاں مار کر شہید کر دیا۔

بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

مرحوم کی عمر 23 سال تھی اور شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے بہت قابل ممبر تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

محمد انور شہید

از: طاہر صادق صاحب

راہِ خدا میں مر کے جو ملتی ہے زندگی
وہ زندگی خدا کی قسم لاجواب ہے

محمد انور شہید کی شہادت کا سفر کہاں سے شروع ہوا اور کیسے مکمل ہوا اس کی داستان قابل رشک اور واجب تقلید تھی۔9 اپریل 1986ء بعد از نماز عشاء کی وہ تاریک گھڑی جماعت احمدیہ لاہور کے لئے ہمیشہ فخر کا باعث رہے گی جب ہمارے انتہائی قابل، نڈر، بیباک مخلص اور مبلغ محمد انور کو برٹش گیانا میں اس وقت گولی مار کر شہید کر دیا گیا جب وہ انگلستان میں ہمارے بہت کامیاب مبلغ تھے اور گیانا میں ایک جماعتی کانفرنس میں شمولیت کی غرض سے وہاں لندن سے گئے تھے ۔ یہ واقعہ اس کانفرنس کی تکمیل کے بعد ہوا۔ ہم اس حادثہ کو ناشگوار اس لئے نہیں کہیں گے کیونکہ محمد انور شہید کی ساری سرگرمیاں خالصتاً خدمت دین کے لئے ہی تھیں۔ میں جانتا ہوں کہ جب حضرت امیر خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد علیہ الرحمتہ نے انہیں گیانا کانفرنس میں شمولیت کے لئے کہا۔ اس وقت ان کی طبیعت بھی اچھی نہیں تھی اور ویسے بھی ذہنی طور پر وہاں جانے کے لئے پر جوش نہیں تھے اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ اس سے چند برس پہلے بھی وہ ویسٹ انڈیز میں گئے جہاں انہیں کچھ بخار ہوا جو کئی ماہ تک رہا اور ڈاکٹروں کو اس کی وجہ معلوم نہ ہوئی۔ یا شاید آنے والا واقعہ کسی کشفی رنگ میں ان پر ظاہر ہوا ہو۔ میرے ساتھ ان کی فون پر بات ہوئی۔ میں نے مشورہ دیا کہ آپ حضرت امیر سے معذرت کر لیں ۔ اس پر انہوں نے بہت پر عزم طریق سے میرے خیال کو رد کیا اور کہا کہ اوّل تو دین کا کام میری صحت اور سہولت سے آگے ہے اور دوئم امیر کا حکم اپنی فضیلت رکھتا ہے۔

جب میں سوچتا ہوں کہ انہیں کسی نے کیوں مار دیا تو میرے دل میں دو وجوہات آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کانفرنس کے دوران انجمن کی کئی مساجد کا افتتاح، پوری دنیا سے آنے والے وفود کی آمد اور حکومتی سطح پر جماعت کے کاموں کا اعتراف اور پذیرائی دین اور احمدیت کے رُو سے دیکھی نہ گئی اور انہوں نے انتہائی اقدام کا فیصلہ کیا تا کہ جماعت کی سرگرمیوں اور اثرات کو روکا جا سکے۔ اس کے لئے انہوں نے تین شخصیتوں کو چنا۔ جن میں سے دو کا نصیب نہیں تھا اور انور شہید کے حصہ میں خدا تعالیٰ نے منظور فرمایا۔ دوسری وجہ یہ نظر آتی ہے کہ انور شہید نے گیانا ریڈیو پر ایک تقریر کی۔ اس تقریر کا لب لباب بین المذاہب برداشت اور بھائی چارہ کا درس تھا۔ انہوں نے بڑے پُر اثر انداز میں بیان فرمایا کہ سب مذہب یہودی، عیسائی، بدھ مت اور ہندو قابل احترام ہیں اور ہم ان کے پیروکاروں کا بھی احترام کرتے ہیں ۔ وقت اور حالات کی وجہ سے ان کی اصل تعلیمات اب صحیح حالت میں نہیں رہیں۔ اب صرف دین اسلام ہی کامل دین ہے اور خدا تک پہنچنے کے لئے واحد راستہ پیغمبر اسلام کی اطاعت اور قرآن پاک پر عمل ہے۔ اس لئے یہی صراط مستقیم ہے اور وہی کامیاب ہوگا جو اس پر چلے گا۔ البتہ دین میں کوئی جبر روا نہیں ہے۔ ان کی ملاقاتیں بھی وہاں کے اعلیٰ ترین لوگوں سے ہوئیں جنہیں آپ نے مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی انگلش ٹرانسلیشن تحفتاً پیش کیں ۔ یہ کوششیں بھی بوجہ حسد سبب ہو سکتی ہیں۔ گیانا اور U.K کے اخبارات نے ان کے قتل کی خبروں کو شہ سرخیاں بنایا بلکہ انتہائی رنج وغم کا بھرپور اظہار کیا۔ آپ U.K سے سماجی و مذہبی حلقوں میں بہت مقبولیت رکھتے تھے۔ آپ کے حلقہ احباب نے دنیا بھر میں گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ آپ کے سوگواران میں ہر قوم و مذہب وحلقہ کے لوگ شامل تھے۔ اس قدر خط تعزیت کے آتے رہے جن سے ایک کتاب بن سکتی ہے ۔ جب ان کی میت پاکستان پہنچی تو یہاں لوگوں نے بلا تخصیص عقیدہ شمولیت کی اور سب سے بڑھ کر جماعت نے ایسا کردار ادا کیا جس کی مثال بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ خیبر سے کراچی تک ہر گھر میں سوگ رہا اور شاید ہی کوئی باقی بچا ہو جس نے بھرپور طور پر دکھ نہ بانٹا ہو۔ مجھے انور بھائی کے اس قدر ہر دلعزیز ہونے کا اندازہ ان کی زندگی میں

ہرگز ہرگز نہ تھا۔ غالباً ان کی شہادت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اتنی زیادہ محبت تقسیم کی۔

ان کی جدائی سے جماعت کو بہت نقصان ہوا۔ وہ جوان آدمی تھے۔ تعلیم یافتہ تھے اور ایک اچھے مبلغ کی تمام خصوصیات ان میں پائی جاتی تھیں جو انہوں نے انگلینڈ میں نامساعد حالات میں رہتے ہوئے بروئے کار لائیں۔ ان کی وفات کا دکھ سب سے زیادہ U.K جماعت نے ظاہر کیا۔ ان کی وجہ سے جماعت میں زندگی کی تازہ روح پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے بعد ان کی جدائی کا ناقابل تلافی نقصان ان کی بیوی بانو انور اور ان کی کم سن بیٹی حبیبہ کو ہوا۔ ننھی حبیبہ بانو اپنے ابو کے انتظار میں رہتی۔ روزانہ ایک نئی چیز خریدتی اور اس امید سے کہ ابو یہ چیز لینے ضرور آئیں گے۔ ایک تشنگی، ایک ناتمام خواہش تو اس کے ساتھ پروان چڑھتی رہی مگر اس کے ابو کا کوئی ٹھکانہ اسے نہ ملا۔ صبر و استقامت کے پیکر بانو ضبط کے سہارے حبیبہ کو پالتی رہی۔ حبیبہ نے بیرسٹری پاس کر لی۔ شادی ہوگئی مگر اب بھی وہ اپنے باپ کے لئے ویسے ہی روتی ہے جیسے کوئی میت پر روئے۔ میں بانو کی عظمت کو سلام پیش کرتا ہوں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ میں انور کے مشن کے لئے اپنے آپ کو وقف کرتی ہوں۔ آج پچیس برس گزر چکے ہیں اس کے پائے استقامت میں ذرہ بھر بھی لغزش نہیں آئی۔ اس نے دیار غیر میں کس ہمت سے وقت گذارا شاید یہ اسی کا حصہ ہے۔ مالی مشکلات، صحت کی خرابی اور بھائیوں کی نارضامندی کے باوجود اس نے دین کے لئے سب کچھ چھوڑ رکھا ہے۔ یہ طاقت، یہ حوصلہ، یہ جرات اسے کہاں سے ملی ہے۔ میں یہی کہوں گا

جمال ہم نشیں در من اثر کرد

یہ ایک شہید کی حیات ابدی کا تسلسل ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں البتہ تمہیں اسکا شعور نہیں ہے'' محمد انور شہید انشاء اللہ زندہ ہیں اور وہ اپنے رب کے ہاں رزق حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

☆☆☆☆

درخواست ہائے دعا

لاہور

قاضی عبدالاحد صاحب جو ہماری جماعت کے بہت ہی اہم سرمایہ اور عالم دین ہیں۔ کافی عرصہ سے علیل ہیں اور کمزور ہیں۔ تمام احباب ان کی شفاء کاملہ کیلئے دعائیں جاری رکھیں۔

عبدالقیوم صاحب کا حال ہی میں ''پتے'' کا آپریشن ہوا ہے۔ اب گھر میں قیام پذیر ہیں اور مکمل شفاء کاملہ کیلئے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

ضیاء الرحمٰن کی بہو کا ''پتے'' کا آپریشن ہوا ہے۔ تمام احباب جماعت اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

محترم خرم جمیل صاحب جو کہ کافی عرصہ سے بیمار ہیں اور ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ ان کے اہل خانہ کی احباب و خواتین سے درخواست ہے کہ ان کے لئے خصوصی طور پر اپنی نمازوں میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کامل صحت یاب کرے۔ آمین

کراچی

ہمارے بھائی تنویر احمد صاحب کا دل کا آپریشن ہوا ہے۔ تمام احباب جماعت ان کی مکمل صحت یابی کے لئے دعائیں کریں۔

راولپنڈی

محترم طاہر صادق صاحب کا ''پتے'' کا آپریشن ہوا ہے۔ احباب جماعت سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے تحریک احمدیت کی اہمیت

محترمہ نگینہ عامر صاحبہ۔ بی۔اے

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ زمانے کے مجدد یا امام کو ماننا اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہے۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ انسانی عمل میں کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور نئے نئے مسائل اور نظریات انسان کے ذہن میں نہ صرف وساوس پیدا کر دیتے ہیں بلکہ ان کے نتیجہ میں ایمان میں مختلف رنگ میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ امام وقت کامل بصیرت اور نئے علم کلام سے ایمان کو ایک ایسی تازگی اور قوت بخشتا ہے کہ قرآن حکیم اس کے فکر و عمل کا محور بن جاتا ہے اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی روزمرہ زندگی میں ہمت اور استقلال کی شمع روشن کر دیتا ہے۔ جو خود اس کی زندگی کو محترک بنا دیتا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں: ''اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ دین کی تکمیل اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کی مناسب حفاظت سے بکلی دستبردار ہو جائے۔ مثلاً اگر کوئی گھر بناوے اور اس کے تمام کمرے سلیقہ سے تیار کرے اور اس کی تمام ضرورتیں جو عمارت کے متعلق ہیں باحسن وجہ پوری کر دیوے اور پھر مدت کے بعد اندھیریاں چلیں اور بارشیں ہوں اور اس گھر کے نقش و نگار پر گرد و غبار بیٹھ جاوے اور اس کی خوبصورتی چھپ جاوے اور پھر اس کا کوئی وارث اس گھر کو صاف اور سفید کرنا چاہے مگر اس کو منع کر دیا جاوے کہ گھر تو مکمل ہو چکا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ منع کرنا سراسر حماقت ہے۔ افسوس کہ ایسے اعتراضات کرنے والے نہیں سوچتے کہ تکمیل شئی دیگر ہے اور وقتاً فوقتاً ایک مکمل عمارت کی صفائی کرنا یہ اور بات ہے۔ یہ یاد رہے کہ مجدد لوگ دین میں کچھ کمی بیشی نہیں کرتے۔ ہاں گمشدہ دین کو پھر دلوں میں قائم کرتے ہیں اور یہ کہنا کہ مجددوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ ''بعد اس کے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص ان کا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے'' (نور 56)۔ (شھادت القرآن صفحہ 48)

احمدی پورے یقین سے اللہ کو مانتا ہے اور اللہ کی بھی مانتا ہے۔ احمدیت عین اسلام ہے۔ احمدیت انسان کو باشعور بناتی ہے۔ احمدیت عملی طور پر اسلام ہے۔ ہر موقع اور ہر لمحے پر اسلام کی صحیح روح پر چلنے کی تلقین کرتا ہے۔

دس شرائط بیعت ہی کو لے لیں۔ نماز کی تاکید، جھوٹ اور بے حیائی سے بچنے کی تلقین، خدمت خلق کا حکم۔ کوئی بھی بات شریعت کے خلاف نہیں۔ احمدی اسلام کو پوری طرح سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے اور اس کو اللہ کا حکم سمجھتا ہے۔ صرف رسمی طور پر اس پر عمل نہیں کرتا۔

نماز ہی کی مثال لیں۔ خدا خوفی نماز کا اصل مقصد ہے اس لئے وہ ہر وقت خدا کو یاد رکھتا اور ہر نعمت کے لئے اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ صرف ظاہری پاکیزگی اور ورزش سے روح کی صفائی نہیں ہوتی ہے۔ عام لوگ نماز کے لئے صرف وضو، اوقات نماز، لباس وغیرہ پر بہت زور دیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں بہت ضروری ہیں۔ لیکن یہ نماز کی ظاہری شرائط ہیں۔ جو چیز سب سے اہم ہے وہ ہے خدا خوفی، خشوع و خضوع۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہم خدا سے ہمکلام ہیں۔ وہ ہماری سن رہا ہے۔ وہ ہمارے ہر عمل پر نظر رکھے ہوئے ہے اور ہم ہر چیز کے لئے اس کے سامنے جوابدہ ہیں۔ یہ ہے وہ نماز جو انسانوں کو بدل دیتی ہے ان کے اعمال کی اصلاح کرتی ہے۔ انسان کے طور طریق بدل دیتی ہے۔ معاشرے کی اصلاح کرتی ہے۔ مساجد اور نمازیوں کی کثرت ہونے کے باوجود ہمارے معاشرے کا برا حال ہے۔ ہر طرف اسلام اسلام کا نعرہ ہے لیکن عمل کہیں نہیں کیونکہ ہم ظاہری چیزوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں لیکن باطن کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ہر شخص دوسرے کو بدلنا چاہتا ہے۔ خود کو کوئی بدلنا نہیں چاہتا۔ دوسرا اہم سے کیا توقع کرتا ہے ہم جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ جب ہم دوسروں کی

خواہشات کا خیال رکھے بغیر توقع کریں کہ آپ کو خدا سے اجر ملے گا۔ اور اس کا وجود دوسروں کو اسلامی تعلیمات کی حقیقت سے روشناس کر کے ایک پاک تبدیلی کا موجب بن جاتا ہے۔ تو یہ بالکل اسی طرح ہے کہ ہم خدا کے احکام کی تو پروا نہ کریں اور صرف اس خیال سے کہ چونکہ وہ رحیم و کریم ہے ہمیں معاف کر کے رحم و کرم کرے گا۔ خام خیالی ہے۔

جب کوئی سچے دل سے خدا کو پکارتا ہے تو وہ ضرور سنتا ہے۔ ہم نے قریب کے دنوں میں دیکھا جب ہم نے مل کر سچے دل سے خدا کو پکارا تو اس نے ہمارے دو بھائیوں جن میں ایک نام عثمان ہے کو موت کے منہ سے اور دوسرے کو دشمن کے چنگل سے بچالایا۔

ایک زمانہ تھا احمدی کی گواہی کو بہت اہمیت دی جاتی تھی کیونکہ لوگوں کو یقین تھا کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔

امام زماں بھی یہ بات سکھاتے ہیں کہ اسلامی احکام پر صحیح طور پر عمل کرو۔ اسلام کی اصلی روح کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کرو۔ انگریزی سیکھو، عربی سیکھو، باعمل مسلمان بنو تا کہ لوگ خود بخود تمہارے ذریعہ اسلام کی طرف متوجہ ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ میں سمجھتی ہوں کہ ایک حقیقی احمدی باشعور مسلمان ہوتا ہے وہ دنیا میں رہتے ہوئے دین پر عمل کرتا ہے کیونکہ اگر ہم اپنے آپ کو محض احمدی کہتے ہیں تو پھر یا تو ہم خاندانی احمدی ہیں یا ہم نے ابھی تک احمدیت کو صحیح معنوں میں سمجھا ہی نہیں کیونکہ حضرت مرزا صاحب ہر مسلمان کو باعمل مسلمان بنانا چاہتے تھے جو پوری طرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والا ہو۔

خدا ہم سب کو اچھا باعمل مسلمان بنائے اور صحیح معنوں میں احمدی بننے کی توفیق دے تا کہ ہماری زندگیاں اسلام کی زندہ تصویر ہوں۔ اور ہمارے دلوں کو ہر قسم کی کدورتوں سے پاک کرے اور توفیق دے کہ ہم آپس میں پیار و محبت سے کام لیں اور تحریک احمدیت کے مقاصد کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ آمین

☆☆☆☆

تقریب وصال مسیح موعودؑ

بمقام جامع دارالسلام، لاہور

مورخہ 26 مئی بروز ہفتہ جامع دارالسلام میں ''یوم وصال مسیح موعودؑ'' کی تقریب منعقد ہوئی۔ شام 5 بجے سے ہی لوگ جوق در جوق جامع میں آنا شروع ہو گئے۔

تقریب کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے کیا گیا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد مقررین میں جناب قاری ارشد محمود صاحب نے بڑے ہی موثر انداز میں حضرت صاحب کی گرانقدر دینی خدمات کا جائزہ پیش کیا۔ ان کے بعد قاری غلام رسول صاحب نے حاضرین کو ''حضرت مسیح موعود رحمتہ اللہ کے عقائد کو ان تحریرات کی روشنی میں بیان کیا۔ انڈیا سے آئے ہوئے ہمارے مہمان ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب نے حاضرین کی خدمت میں ''امام وقت کی خصوصیات'' کے مضمون پر دلچسپ تقریر کی۔ عامر عزیز صاحب نے مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم و مغفور کی جماعت احمدیہ کے بارے میں رائے پر اظہار خیال کیا اور حضرت صاحب کی زندگی پر روشنی ڈالی۔

آخر میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت مسیح موعودؑ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا اور آپ کی پرنور زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کئے۔ اور بڑے ہی دلسوز انداز میں اپنی جماعت، ملک اور قوم کے لئے دعا کروائی۔

میں ان تمام کارکنان انجمن کا شکر گذار ہوں جنہوں نے اس تقریب کو کامیاب بنانے میں اپنی توانیاں صرف کیں۔ تقریب کے اختتام پر حاضرین کی خدمت میں عشائیہ پیش کیا گیا۔

جنرل سیکرٹری
احمدیہ انجمن لاہور

درس قرآن۔۱۳

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ’’جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں‘‘۔(البقرہ ۲:۳)

میں نے پچھلے دو درسوں میں وہ اہم وجوہات عرض کی تھیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو پردہ غیب میں رکھا ہے۔مگر اس کے پردہ غیب میں ہونے کی وجہ انسان اسے بھول جاتا ہے اور اس لئے انسان کو یاددہانی کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے نماز ہے۔چنانچہ قرآن حکیم نے فرمایا ہے: ’’یعنی نماز کو قائم کرو مجھے یاد رکھنے کے لئے‘‘ نیز نماز صرف پڑھنا کافی نہیں بلکہ اس کو ہر جگہ قائم کرنے کا حکم ہے جس کے احکام میں نے پچھلے درس میں عرض کئے تھے۔مختصراً یہ کہ نماز کو سمجھ کر پڑھا جائے کہ کس کے حضور میں کھڑا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں۔اور یہ میری کتنی عزت افزائی ہے کہ اس احکم الحاکمین کے حضور میں میں کھڑا ہوں اور پانچ بار حاضر ہو سکتا ہوں۔نماز کے الفاظ اعلیٰ ترین تصور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا پیدا کرتے ہیں اور یہ ایمان بھی نماز سے انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے (بشرطیکہ نماز کو قائم کیا جائے نہ کہ جلدی سے فرفر رٹ لیا جائے) کہ وہ ذات والا صفات میرے ساتھ ہے جہاں کہیں میں ہوں اور اسی لئے نماز ہر جگہ ہو سکتی ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔اور یہ میری باتوں کو سن رہا ہے اور میرے سینہ کے رازوں سے واقف ہے تبھی ہم نماز میں خدا تعالیٰ کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، جھکتے اور سجدہ کرتے ہیں اور نماز کا کچھ حصہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور باقی حصہ سینہ یعنی دل میں پڑھتے ہیں۔جب ان تمام باتوں پر ایمان قائم ہو تبھی قرآن کا فرمانا پورا ہوتا ہے کہ ’’یعنی نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور بری باتوں سے،(العنکبوت آیت ۲۹) جس کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو انسان کے دل میں گندیا برائیاں جمع ہوتی ہیں اور نہ اس کے عمل میں کوئی برائی باقی رہتی ہے اور یہی تقویٰ ہے جس کو حاصل کرنا بہت بڑی کامیابی ہے۔

اب میں نماز کے ایک اور بہت اہم مقصد کا ذکر کرتا ہوں جس کا علم صرف قرآن حکیم نے دیا ہے اور کسی الہامی کتاب یا مذہب میں اس کا پتہ نہیں ملتا۔اور وہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کے جسم کو غذا کی ضرورت ہے جس کے بغیر نہ وہ صحت مند رہ سکتا ہے، نہ نشوونما پا سکتا ہے اور نہ زندہ رہ سکتا ہے، اسی طرح انسان کی روح کو بھی غذا کی ضرورت ہے جس کے بغیر نہ وہ صحت مند رہ سکتی ہے، نہ نشوونما پا سکتی ہے اور نہ زندہ رہ سکتی ہے اور وہ روح کی غذا نماز سے حاصل ہوتی ہے۔یہ جسم جس کے پالنے کو ہم دن رات کھاتے پیتے ہیں یہ بہرحال مرکر مٹی میں مل جانے والا ہے مگر جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہے اور انسان کی اگلی زندگی بھی اسی سے ہے وہ انسان کی روح ہے تو اس کی غذا، اس کی صحت، اس کی نشوونما اور اس کی زندگی کس قدر اہم ضرورت ہے۔انسان کی، جس کے لئے نماز ہے۔تبھی نماز پر اس قدر زور ہے۔قرآن اور حدیث میں (اور یہ اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے)۔اگر انسان کی روح صحت مند ہے، نشوونما کر رہی یا ترقی کر رہی ہے اور زندہ ہے تو انسان کے لئے یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

آیئے دیکھیں کہ قرآن حکیم کن الفاظ میں اس اہم راز کو کھولتا ہے۔سورۃ طٰہٰ ۲۰ کے آخری رکوع میں آیات ۱۳۱،اور ۱۳۲ یوں آتی ہیں:

ترجمہ: ’’یعنی اپنی نگاہیں اس کے پیچھے نہ لمبی کر (یعنی لالچ کی نگاہوں سے نہ دیکھ) اس کی طرف جو ہم نے قسم قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی آرائش کا سامان دیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعہ سے آزمائیں۔اور تیرے رب کا رزق تو بہتر اور

ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود بھی نماز پر مضبوطی سے قائم ہو۔ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم تجھے رزق دیتے ہیں۔ اور اچھا انجام یا آخرت تقویٰ کے لئے ہے"

یہ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ کم سے کم اور سیدھے سادھے الفاظ میں بہت اہم اور پیچیدہ مسائل پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان دو آیات میں جو اہم باتیں فرمائیں ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہی انسانوں کے مختلف طبقات (Classes) بنائے ہیں۔ اسی بات کو دوسری جگہ یوں فرمایا: "دیکھ کہ کس طرح (اس دنیا میں) ہم نے بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت دی ہے تبھی دنیا کے کام کاج بخوبی چل سکتے ہیں" (بنی اسرائیل ۱۷-۱۲)

۲۔ ہر طبقہ (class) کو دنیا کے ساز و سامان مختلف دیئے ہیں۔ مگر جتنا کسی کو دیا ہے اتنا ہی اس کا امتحان ہے۔ اوّل تو یوں کہ دنیا کی چیزوں کی کشش ایسی ہوتی ہے کہ انسان ان کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے، حالانکہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ آج نہیں تو کل یہ سب کچھ چھوڑ کر آگے جانا ہوگا۔ جن چیزوں سے دل لگایا تھا انہیں چھوڑنے کے افسوس کے علاوہ آگے جا کر پتہ لگے گا کہ ایسے انسان نے اللہ تعالیٰ جیسی نعمت عظمٰی کو حاصل نہ کر کے اپنی جان کا اس قدر نقصان کیا کہ اس کی حسرت ہی بطور جہنم کافی ہوگی۔ پھر جو کچھ اس دنیا میں ملا تھا اس کا حساب دینا ہوگا۔ اگر تو دنیا کی نعمتوں کو ان کے دینے والے کا مال سمجھ کر اس کے حکموں کے ماتحت لگایا تو خیر ہو سکتی ہے ورنہ خیانت کرنے والے یا غاصب کی سزا ہے وہ اس کی ہوگی۔

۳۔ اس لئے مومن کو نہیں چاہیے کہ وہ دنیا کے مال و دولت کو لالچ اور ہوس کی نگاہوں سے دیکھے۔ دنیا کے رزق (جس کے معنی ہے وہ سب کچھ دنیاوی فوائد جو انسان کو ملتے ہیں) تو عارضی اور قابل مواخذہ (یعنی پکڑ کے نیچے) ہیں۔ مگر مومن کو جو نعمت ہمیشہ کے لئے اور بغیر کسی حساب کتاب کے مل سکتی ہے وہ روحانی رزق ہے جو بہت بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

۴۔ وہ روحانی رزق نماز کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ قرآن حکیم بھی عجیب علم و معرفت کی کتاب ہے۔ اس روحانی رزق کے نماز کے ذریعہ سے ملنے کے ذکر میں مومن کو پہلے یہ کہا کہ اپنے بیوی بچوں کو نماز کا حکم دو اور بعد میں فرمایا کہ تو خود بھی نماز پر مضبوطی سے قائم ہو۔ یہ اس لئے کہ ہر انسان اپنے دنیاوی رزق کے معاملہ میں بھی اپنے بیوی بچوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔ ایک مرد کی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے بیوی بچوں کی روٹی کپڑے اور دوسری ضروریات بلکہ بیوی کے زیور کپڑوں کے فیشنوں پر اڑ جاتا ہے۔ مرد جو کمانے والا ہے اپنے اوپر تو تھوڑا ہی خرچ کرتا ہے تو فرمایا کہ جس طرح دنیاوی رزق کے معاملہ میں اپنے بیوی بچوں کی تجھے زیادہ فکر ہوتی ہے۔ ان کے روحانی رزق کی بھی فکر کر۔ اور محض نماز قائم کرنے کا ان کو حکم نہ دے بلکہ نماز پر خود مضبوطی سے قائم ہو کر تو ان کے لئے نمونہ بن ورنہ وہ تیری کہاں مانیں گے۔

۵۔ جس طرح جسمانی اور دنیاوی رزق ہم تجھے دیتے ہیں، ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے، اسی طرح اگر ہم تم کو نماز کا حکم دیتے ہیں تو ہم کو اس میں کچھ نہیں ملتا بلکہ سراسر تمہارا فائدہ ہے کہ روحانی رزق جیسا ضروری، بہتر اور ہمیشہ رہنے والا رزق تم کو مل سکے گا۔

۶۔ آخری بات فرمائی کہ اچھا انجام تقویٰ کے لئے ہے۔ یعنی دنیاوی رزق جو کچھ خدا سے ملتا ہے اس کے بارہ میں تقویٰ اختیار کرو ورنہ پکڑ ہوگی اور روحانی رزق جو نماز کے ذریعہ سے ملتا ہے اس کو پا کر اپنی روح کو صحت مند اور طاقت ور بناؤ تاکہ وہ تمہاری حیوانی خواہشات اور جذبات پر قابو پا سکے ورنہ تمہارے اندر کا مونہہ زور حیوان تم سے خلاف تقویٰ کام کروائے گا جس میں انجام کار گھاٹا اور جہنم کی آگ ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں کہ اگر نماز کو محض پڑھا نہ جائے بلکہ قائم کیا جائے تو اس سے جو زندہ خدا پر ایمان پیدا ہوتا ہے اسی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

نماز کے متعلق ایک اور اہم بات کہہ کر میں نماز کے موضوع کو ختم کروں گا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "یعنی نماز مومن کی معراج ہے" اب معراج کا

مشہور واقعہ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلعم حالت کشف میں آسمانوں میں تشریف لے گئے اور دوسرے تمام نبیوں کے مقامات سے آپؐ بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ ایک مقام پر حضرت جبرائیلؑ جو آپ کو لے کر گئے تھے کہنے لگے کہ میں اس مقام سے اگر آگے جاؤں گا تو تجلی الٰہی کی تاب نہ لاسکوں گا۔ اس لئے آپ اکیلے ہی جایئے۔ چنانچہ رسول کریم صلعم اکیلے آگے گئے تو خود اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچ گئے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے آگے ادباً دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور آپ نے کہا ''میری تمام زبانی عبادتیں اور جسمانی عبادتیں اور مالی قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''سلامتی ہو تجھ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں'' تو نبی کریم صلعم نے فرمایا ''یہ سلامتی ہم پر ہو اور جتنے اللہ کے صالح بندے ہیں ان پر بھی ہو'' وہاں اور کیا باتیں ہوئیں، ان کا ریکارڈ نہیں مگر وہاں سے جو بیش بہا دولت یا انعام لے کر آئے وہ اپنی امت کے لئے پانچ وقت کی نماز میں حاضری کی اجازت تھی۔ معراج کے ان واقعات سے جو ہمیں سبق ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

ا۔ اگر ہم رسول اللہ صلعم کی اتباع کامل کریں تو بلند سے بلند ترین مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ اس عالم میں جہاں کہ ہمیں مر کر جانا ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلعم کی کامل پیروی سے انسان اس مقام سے بھی آگے جاسکتا ہے جہاں تک فرشتوں کی پہنچ ہے۔ قرآن پاک نے بھی انسان کو اگر وہ اصل معنوں میں خلیفۃ اللہ بنے مسجود ملائکہ بتایا ہے۔

۳۔ رسول اللہ صلعم کا مقام انتہائی فنا فی اللہ کا مقام ہے جس پر انسان کا ہر قول ہر فعل اور مال اللہ کی خدمت میں صرف ہوتا ہے یعنی اس کے حکموں کے ماتحت آجاتا ہے۔ جیسا کہ حضور کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

۴۔ اس اظہارِ عبودیت کامل پر اللہ تعالیٰ نے جو سلامتی، روحانی رحمتیں اور دنیاوی اور اُخروی برکات اپنے نبی پر بھیجیں انہیں آپ نے فوراً نہ صرف اپنی ذات پر بلکہ اپنی امت پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر لگایا۔ کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی بات فرماتا ہے تو وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ اس مقدس انسان کے دل میں کیا بے نفسی اور مخلوق خدا کی ہمدردی اور بھلائی چاہنے کا جذبہ تھا!

۵۔ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری جس کی مثال نہ کبھی تھی نہ کبھی ہوگی اس میں رسول اللہ صلعم نے کیا مانگا؟ یہی کہ جو فخر اور عزت آپ کو نصیب ہوئی (خدا تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کی) وہ آپ کی امت کو بھی نصیب ہو۔ اور اسی لئے دن میں کم سے کم پانچ بار حاضری کی اجازت لے کر آئے۔ بدنصیب ہے وہ انسان جو اس سے محروم رہے یا نماز کو قائم نہ کر کے بلکہ بطور رسم کے ادا کر کے اس سے پورا فائدہ نہ اٹھائے۔

۶۔ حضورؐ نے نماز کو مومن کا معراج کہا۔ یعنی خدا کا قرب حاصل کرنے، اس کو پانے کا موقع نماز میں ہے۔ اور جو آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بات چیت ہوئی اسے نماز میں سجدہ کے بعد رکھا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا سے قرب کا نزدیک ترین مقام سجدہ ہے۔ اس لئے سجدہ کو لمبا کرو۔ سمجھو کہ اس میں کیا کہہ رہے ہو۔ سبحان ربی الاعلیٰ یعنی اے میرے رب (رب وہ ہے جو ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف لے جاتا ہے) تو سبحان ہے یعنی عیبوں سے پاک ہے اس لئے میری ربوبیت یوں فرما کہ میرے سب عیب بھی دور ہو جائیں۔ پھر تو اعلیٰ ہے یعنی تمام خوبیاں اور تعریفیں تیرے لئے ہیں تو مجھ میں بھی خوبیاں پیدا فرما۔ دل کے درد سے اس دعا کو کریں کہ اس میں دنیا اور آخرت کی سب بھلائیاں ہیں۔ پھر اگر اور کوئی عرض کرنی ہو تو قرآن یا حدیث کی دعاؤں کے علاوہ بے شک اپنی زبان میں کریں اور گریہ وزاری سے کریں کہ خدا سے نزدیک ترین مقام وہی ہے جو اور کبھی نصیب نہ ہوگا۔ بچہ جب ماں سے لپٹ کر روتا ہے تو ماں کا رحم جوش میں آتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون رحیم و کریم ہے۔

☆☆☆☆

شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور

بزمِ اطفال

سچ

سلمان اور احمد بہت اچھے دوست تھے ان دونوں کی آپس میں بہت گہری دوستی تھی، اکٹھے سکول سے آتے جاتے تھے لیکن ایک چیز ان میں مختلف تھی، وہ یہ کہ سلمان اکثر جھوٹ بولتا جبکہ احمد ہمیشہ سچ بولتا تھا۔ احمد اکثر سلمان کو سمجھاتا تھا کہ جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے اور ہمیں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے لیکن سلمان اس کی بات نہ مانتا۔ ایک دن کی بات ہے کہ سلمان اور احمد اپنی کلاس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سر جاوید بشیر جوان کے انگلش کے استاد تھے، کلاس میں داخل ہوئے۔ سب نے اٹھ کر ان کو سلام کیا، سر نے ان کے سلام کا جواب دیا پھر حاضری کے بعد ان کو سبق پڑھانے لگے۔ جب سبق پڑھا چکے تو انہوں نے سب سے پوچھا کہ کوئی پوائنٹ اگر کسی کو مشکل لگا ہے تو مجھ سے پوچھ لے۔ چند ایک طالب علموں نے بعض نکات پوچھے جو سر نے انہیں اچھی طرح سمجھائے، پھر سر نے سارے طالب علموں سے کہا کہ وہ اپنا ہوم ورک چیک کروائیں، سب اپنی اپنی کاپیاں نکالنے لگے۔ جب سلمان اپنے بیگ سے کاپی نکالنے لگا تو اسے یاد آیا کہ اس نے تو اپنا ہوم ورک ہی نہیں کیا۔ یہ بات سوچ کر وہ پریشان ہوگیا کیونکہ سر نے کل سختی سے تاکید کی تھی کہ سب اپنا ہوم ورک ضرور کر کے آئیں۔ اگر کوئی طالب علم ہوم ورک نہیں کر کے آئے گا تو میں اس کو سزا دوں گا اور کلاس میں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی پریشانی احمد کو بتائی۔ احمد نے پریشانی سے اس کو دیکھا اور کہا ''میں نے تمہیں کل بھی کہا تھا کہ اپنا ہوم ورک کر لو لیکن تم نے میری بات نہیں مانی''، ''لیکن یار اب میں کیا کروں'' سلمان نے پریشانی سے پوچھا ''اچھا تم یوں کرو کہ تم آج سر سے معافی مانگ لو کہ تم آئندہ اپنا ہوم ورک ضرور کر کے آؤ گے'' احمد نے جواب دیا۔ ''نہیں یار، یوں تو سر ناراض ہو جائیں گے۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے ہوم ورک تو کیا تھا لیکن اپنی کاپی گھر بھول آیا ہوں'' سلمان نے کہا۔ ''یہ تو بہت بری بات ہے سلمان'' احمد نے جواب دیا۔ لیکن سلمان نے کوئی بات نہ مانی۔ ''سلمان اپنا ہوم ورک چیک کراؤ'' سر جاوید بشیر نے سلمان سے کہا۔ سلمان ایک لمحے کے لئے تو خوف زدہ ہوا لیکن پھر اس نے جواب دیا کہ ''سر میں اپنی کاپی گھر بھول آیا ہوں حالانکہ میں نے تو اپنا ہوم ورک تو کیا تھا'' سر جاوید بشیر نے سلمان کو غور سے دیکھا۔ سر کو غور سے اپنے طرف دیکھتے پا کر سلمان نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ اس طرح سر کو پتہ چل گیا کہ سلمان جھوٹ بول رہا ہے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ ''سلمان کیا تم سچ بول رہے ہو؟''۔ ''وہ سر۔۔۔۔!'' سلمان بول نہیں پا رہا تھا۔ ''سلمان میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے'' اب کے سر نے سختی سے پوچھا ''نہیں سر'' سلمان نے نظریں جھکا کر کہا۔

سر نے پہلے تو سوچا کہ سلمان کو سزا دے لیکن پھر سزا کا ارادہ ترک کر کے اس کو سمجھانا شروع کر دیا کہ ''بیٹا یہ بہت بری بات ہے آپ کو ایسی حرکت ہرگز زیب نہیں دیتی بلکہ کسی کو بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ جھوٹ ایک کبیرہ گناہ ہے، جو بندہ جھوٹ بولتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے''۔ آج سلمان آپ کو سب کے سامنے شرمندگی ہو رہی ہے۔ کیا آپ کو اس خدا کے سامنے شرمندگی نہیں ہوتی ہے جو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے؟ اگر آپ مجھے سچ بتا دیتے تو میں آپ کو کچھ نہ کہتا۔ آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آئندہ آپ جھوٹ نہیں بولیں گے۔''

پھر سلمان نے سر جاوید بشیر سے وعدہ کیا کہ ''سر میں آج سے یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی جھوٹ نہیں بولوں گا اور ہمیشہ سچ ہی بولوں گا اور دوسروں کو بھی سچ بولنے کی تلقین کروں گا'' سلمان کی اس بات پر سارے طالب علموں نے تالیاں بجائیں اور سر نے مسکراتے ہوئے سلمان کو شاباش دی۔

دیکھو بچو! آپ کو بھی کبھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے کیونکہ جھوٹ کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے اور جھوٹ بولنے والے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆

نوائے سروش

امیدِ فتح رکھو اور علم اُٹھائے چلو
عمل کے ساتھ مقدر آزمائے چلو
مسافروں میں مسافت کا ذکر کیا معنی
فضا پکار رہی ہے قدم بڑھائے چلو
بجا! کہ اندھیرا ہے شاہراہوں میں
چراغِ فکر جہاں تک جلے جلائے چلو
یہ دورِ آگ نہیں، روشنی ہے منزل کی
قدم ملا کے بڑھو اور علم اُٹھائے چلو
سفینہ غرق ہو یا کوئی گھاٹ پر اترے
تمھارا فرض یہ ہے روشنی دکھائے چلو
جو برق رو ہیں انھیں دو اُصولِ ہم سفری
جو تیز گام نہیں اُن کا دل بڑھائے چلو
نہیں ہے شاخ تراشی ہی شامل دانش
روش روش پہ نئے پھول بھی کھلائے چلو

(احسان دانش)

کوئز برائے اطفال الاحمدیہ

سوال نمبر 1: نماز میں جھک کر اللہ کی تسبیح کرنے کو کیا کہتے ہیں؟

(ا): قیام (۲): رکوع (۳): سجدہ

سوال نمبر 2: کونسی سورت کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟

(ا): سورۃ فاتحہ (۲): سورۃ اخلاص (۳): سورۃ الناس

سوال نمبر 3: مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان جو پہلی جنگ لڑی گئی اس کا نام بتائیں؟

(ا): جنگ احد (۲): جنگ بدر (۳): جنگ احزاب

سوال نمبر 4: غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی؟

(ا): 313 (۲): 626 (۳): 996

سوال نمبر 5: رسول اللہ صلعم کیسا کھانا کھاتے تھے؟

(ا): پر تکلف کھانا (۲): سادہ کھانا

گذشتہ ماہ کے درست جواب دینے والوں کے نام

(ا): عبداللہ فیاض (۲): عاطف نثار (۳): بلال احمد (۴): سیاب احمد

جواب ارسال کرنے کا طریقہ

تمام بچے اپنے جوابات اس پتہ پر ارسال کریں: دفتر شبان الاحمدیہ مرکزیہ ۵ عثمان بلاک دارالسلام کالونی نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔

نیز جوابات sms کے ذریعے بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے:

☆ اپنا نام اور شہر کا نام ☆ سوال کا نمبر اور آگے جواب

☆ شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے نمبر 0313-4433515 پر بھیجیں

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔۵۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج

از: کلام مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج
آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے

کس نے مانا مجھ کو ڈر کر کس نے چھوڑا بغض وکیں
زندگی اپنی تو ان سے گالیاں کھانے کو ہے

کافرو دجال اور فاسق ہمیں سب کہتے ہیں
کون ایماں صدق اور اخلاص سے لانے کو ہے

جس کو دیکھو بدگمانی میں ہے حد سے بڑھ گیا
گر کوئی پوچھے تو سوسو عیب بتلانے کو ہے

چھوڑتے ہیں دیں کو اور دنیا سے کرتے ہیں پیار
سو کریں وعظ و نصیحت کون پچھتانے کو ہے

ہاتھ سے جاتا ہے دل دیں کی مصیبت دیکھ کر
پر خدا کا ہاتھ اب اس دل کو ٹھہرانے کو ہے

اس لئے اب غیرت اس کی کچھ تمہیں دکھلائے گی
ہر طرف یہ آفتِ جاں ہاتھ پھیلانے کو ہے

موت کی راہ سے ملے گی اب تو دیں کو کچھ مدد
ورنہ دیں اے دوستو اک روز مرجانے کو ہے

یارانِ چمن

از: اعظم علوی

راہ کس کی تک رہی ہے شاخسارانِ چمن ۔۔۔ زیر لب کچھ کہہ رہے ہیں بے قرارانِ چمن

من نہ دانم من نہ گوئیم داستان جذب وشوق ۔۔۔ اپنی اپنی کہہ رہے ہیں راز دارانِ چمن

روح پرور، دلنشیں، درد آشنا تھی جو نظر ۔۔۔ کچھ نہ کچھ حامل ہیں اب تک اس کے یارانِ چمن

ہے یہ اس عیسیٰ نفس کے معجزوں سے اک مثال ۔۔۔ تاجداران جہاں ہیں خاکسارانِ چمن

کب طلسم رنگ و بو سے ہوا نہیں کوئی پیار ۔۔۔ نقد جاں سے کھیلتے ہیں شہسوارانِ چمن

رفتہ رفتہ چھٹ رہی ہے ظلمتوں کی بدلیاں ۔۔۔ لحظہ لحظہ بڑھ رہے ہیں ابر بارانِ چمن

چار تنکوں تک نہیں ان کی تگ و تازہ ستیز ۔۔۔ بجلیوں سے کھیلتے ہیں ہوشیارانِ چمن

سرخوش و سرمست ہیں بے منت میناو مے ۔۔۔ لاالہ پر جھومتے ہیں بادہ خوارانِ چمن

تھی بظاہر تلخ لیکن اصل میں شیریں ثمر ۔۔۔ چپکے چپکے پی گئے جو میگسارانِ چمن

آج ہم میں گرچہ علوی وہ مسیحا دم نہیں

ہے غنیمت ہیں جو باقی یادگارانِ چمن